بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیعہ عقائد کا خلاصہ

اور انکا

فلاسفہ وصوفیہ ومفوضہ وشیخیہ

کے عقائد سے مقابلہ

تالیف

سید محمد حسین زیدی برستی

ناشر

ادارہ نشرواشاعت حقائق الاسلام

لاہوری گیٹ چنیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	شیعہ عقائد کا خلاصہ اور انکا فلاسفہ و صوفیہ وشیخیہ کے عقائد سے مقابلہ
نام مولف	سید محمد حسین زیدی برستی
تعداد	ایک ہزار
مطبع	معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور
کمپوزنگ	ڈاکٹر سید انتظار مہدی زیدی

ایڈمنسٹریٹر: فاسٹ انسٹیٹیوٹ آف کمپیوٹر سائنسز چنیوٹ

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

مین ڈاکخانہ روڈ محلہ لاہوری گیٹ چنیوٹ ضلع جھنگ

تاریخ کمپوزنگ: 20 ستمبر 2007ء

فہرست

پیش لفظ

امسال اربعین کی پانچ مجالس 16 صفر المظفر تا 20 صفر المظفر 1421ھ، نازش ملت فخر الذاکرین عالیجناب نذر حسین ٹوانہ آف کالرہ شیخ المعروف قطبی صاحب نے امام بارگاہ قصر زین العابدین چنیوٹ میں پڑھیں دھیمہ انداز، شستہ اور عام فہم بیان، اشعار کی چاشنی ہمراہ، لیکن ذاکروں کے غنا سے پاک۔ فضائل دل نشین مصائب جان گداز مگر صحیح صحیح تاریخی بیان نہ غلو کی آمیزش نہ تفویض کی ملاوٹ نہ ذاکروں کی طرح من گھڑت باتیں، دل سے دعا نکلی خدا تمام ذاکرین کو اس فرض کو اس طرح سے ادا کرنے کی توفیق عطا کرے۔

ایک دن مجلس کے اختتام پر محترم قطبی صاحب نے نجی محفل میں مجھ سے یہ فرمائش کی کہ میں ایک چھوٹی سی کتاب لکھوں جس میں صحیح صحیح شیعہ عقائد بطور خلاصہ بیان کیے گئے ہوں۔ اور اس کتاب میں شیعہ حقہ مفوضہ اور شیخیوں کے عقائد کا فرق بھی بیان کیا جائے،

میں نے ان سے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ میں ایسا کرونگا۔ لیکن جب کتاب لکھنے بیٹھا تو میں نے محسوس کیا کہ شیعہ عقائد کا خلاصہ تو چند صفحات میں آجائیگا۔ یعنی شیعہ عقائد میں اصول دین و ایمان پانچ ہیں، اول توحید، دوسرے عدل، تیسرے نبوت، چوتھے امامت اور پانچویں قیامت۔ بس شیعہ عقائد کا خلاصہ یہی ہے۔ لیکن شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے عقائد میں اور مفوضہ اور مذہب شیخیہ کے عقائد میں کیا فرق ہے؟ جو فلسفی شیعوں، مفوضہ شیعوں اور صوفی شیعوں کی خرافات و بدعات و عقائد و نظریات کا مجموعہ ہے، تو اس کے بیان کے لئے تو تفصیل کی ضرورت ہے اور اسکی تفصیل کے بغیر شیعہ عوام کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ میں نہ آسکے گی۔ کیونکہ شیعہ کہلانے والے فرقوں میں تو حلول و اتحاد کے قائل صوفی شیعہ بھی ہیں۔ اور وحدت الوجود کے بنیاد گذار محی الدین عربی کے فلسفہ کی پیروی کرنے والے فلسفی شیعہ بھی ہیں، اور عقیدہ تفویض کے قائل مفوضہ شیعہ بھی ہیں۔ اور محمد کریم خان

کرمانی کو رکن رابع ماننے والے شیخی شیعہ بھی ہیں، اور میرزا حسن گوہر قراچہ داغی کے پیرو شیخیہ احقاقیہ کویت بھی ہیں۔ اور یہ سب کے سب اپنے عقائد میں نمایاں فرق کے باوجود شیعہ جعفریہ اثنا عشریہ ہی کہلاتے ہیں اور موخر الذکر فرقہ تو شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے ان القابات کو بھی اپناتا ہے جو شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے افراد نے اختیار رکیے ہیں، مثلاً وہ حجت الاسلام بھی کہلاتے ہیں، آیت اللہ بھی کہلاتے ہیں، آیت اللہ العظمیٰ بھی کہلاتے ہیں اور الامام المصلح بھی کہلاتے ہیں اور المرجع الدینی بھی کہلاتے ہیں۔

بہر حال چونکہ فلسفی شیعہ، صوفی شیعہ، مفوضہ شیعہ، شیخیہ رکنیہ شیعہ، اور شیخیہ احقاقیہ شیعہ سب کے سب شیعہ جعفریہ اثنا عشریہ ہی کہلاتے ہیں لہذا مجالس عزا میں فلسفی شیعہ بھی اثنا عشری شیعہ بن کر منبر پر آتا ہے، صوفی شیعہ بھی اثنا عشری شیعہ بن کر منبر پر آتا ہے، مفوضہ شیعہ بھی اثنا عشری شیعہ بن کر منبر پر آتا ہے، شیخیہ رکنیہ بھی شیعہ اثنا عشری شیعہ بن کر منبر پر آتا ہے اور شیخیہ احقاقیہ کویت کی پیروی کرنے والے بھی شیعہ اثنا عشری بن کر ہی منبر پر آتے ہیں، لہذا سادہ لوح بے خبر اور لاعلم شیعہ عوام ان کی تقاریر سن کر یہ سمجھتے ہیں کہ بعض شیعہ اثنا عشری کے یہی عقائد ہیں اس طرح شیعہ اثنا عشری عوام میں فلسفی شیعوں کے نظریات، صوفی شیعوں کی بدعات، مفوضہ شیعوں کی مشرکانہ باتیں اور شیخیوں کی خرافات و کفریات و شرکیات اس کثرت سے رائج ہو چکی ہیں کہ جب کوئی شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کا کوئی عالم انکے سامنے صحیح شیعہ عقائد کا بیان کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں اس نے تو ہمارے عقائد خراب کر دیئے، اس طرح جس طرح توحید کے عظیم مبلغ ابراہیم خلیل کی نسل جب زمانے گذرنے کے ساتھ اپنی بت پرستی میں غرق ہوگئی تو انہیں آنحضرت کا لا الہ الا اللہ، کہنا ایسا لگا جیسا کہ وہ انکے عقائد کو خراب کر رہے ہیں بلکہ انہوں نے برملا کہہ دیا کہ:

"اجعل الآلهة الها واحداً"

"کیا اس نے سارے خداؤں کا انکار کر کے ایک ہی خدا بنا دیا ہے؟ ایک ہی خدا بنا دیا ہے؟"۔ یہی حال آج شیعہ عوام کا ہے اور شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ یعنی حضرت امیر المومنین کے معنوی و حقیقی شیعہ، شیعہ اثنا عشری کہلانے والی مذکورہ چاروں اقسام کے درمیان اس طرح سے زندگی بسر کر رہے ہیں، جس طرح شیعیان عثمان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کہلانے والوں کی درج ذیل اقسام میں امیر المومنین کے شیعیان حقیقی و معنوی زندگی بسر کر رہے تھے۔

حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ ماننے والے ان شیعیان علیؑ کی اقسام جو حضرت علیؑ کے زمانے میں موجود تھے اس طرح ہے۔

اول۔ وہ شیعیان علیؑ جنہوں نے حضرت عثمان کے قتل کے بعد حضرت علیؑ کی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کر لی۔ اور جنگ جمل میں شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علیؑ کے نام سے اُن کے مقابلہ میں رہے ان شیعیان علی کی بھی دو اقسام ہیں ایک وہ شیعیان علی جنہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں شیعہ اولیٰ شیعہ مخلصین اور اہل سنت والجماعت کے پیشوایان اور اسلاف لکھا ہے، یہ شیعیان علی فضیلت میں ترتیب کے قائل تھے یعنی جو سب سے پہلے خلیفہ بنا وہ سب سے افضل جو دوسرے نمبر پر خلیفہ بنا وہ دوسرے نمبر پر سب سے افضل جو تیسرے نمبر پر خلیفہ بنا وہ تیسرے نمبر پر سب سے افضل اور جو چوتھے نمبر پر خلیفہ بنا وہ چوتھے نمبر پر سب سے افضل تھا۔

دوسرے۔ وہ شیعیان علی جو مدینہ کے وہ مہاجر و انصار تھے جنہوں نے حضرت امیر المومنینؑ کی شان میں پیغمبرؐ کی زبان مبارک سے اپنے کانوں سے احادیث فضیلت سنی تھیں لہذا وہ حضرت علیؑ کو پیغمبرؐ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے افضل سمجھتے تھے اور مانتے تھے، لیکن انکا عقیدہ یہ تھا کہ اگر افضل کے مقابلہ میں خلافت کے لئے کسی مفضول کی بیعت ہو جائے تو وہ

خلیفہ بن جاتا ہے انہیں بھی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے پیشینیان اہل سنت گر ہے کیونکہ قسم اول کی طرح اس قسم والوں نے بھی حضرت علیؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کے خلافت کے بعد معاویہ کی بیعت کر کے اہل سنت والجماعت کہلانا شروع کر دیا تھا۔

تیسرے۔ وہ بلوائی جنہوں نے حضرت عثمان کے گھر کو گھیرا تھا اور جب کسی نے حضرت عثمان کو قتل کر دیا تو حضرت علیؑ کی بیعت ہو جانے کے بعد انہوں نے بھی حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر انکی بیعت کر لی تھی۔ یہ حضرت عثمان کو مستحق عزل سمجھتے تھے اور خطاوار جانتے تھے اور حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر دوسرے شیعیان اولیٰ وتفضیلیہ کی طرح شیعیان علی کہلاتے تھے اور جنگ صفین میں جب معاویہ کے لشکر والوں نے قرآن کو نیزوں پر بلند کیا تو حضرت علیؑ کے خلاف تلواریں سونت کر کھڑے ہو جانے والوں میں انہیں لوگوں کی اکثریت تھی۔

چوتھے۔ وہ شیعیان علی جو حضرت علیؑ کو پیغمبرؐ کی احادیث کے مطابق شروع دن سے پیغمبر کا جانشین حقیقی، خلیفہ بلافصل، ھادی خلق، امام برحق، منصوص من اللہ، معصوم عن الخطا، شہر علم نبی کا در، عالم علم لدنی، صاحب معجزات و کرامات۔ اور پیغمبرؐ کے بعد ہر فضل و کمال میں ساری مخلوق سے افضل مانتے ہوئے انکی پیروی اور اطاعت کو فرض عین سمجھتے تھے یہ لوگ تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور جان نثاری میں سب سے آگے تھے اور شیعوں کی مذکورہ اقسام میں بالکل اسی طرح سے رہ رہے تھے جس طرح آج شیعیان معنوی و حقیقی، شیعوں کی مذکورہ چاروں اقسام کے درمیان زندگی بسر کر رہے ہیں۔

امیر المومنین کے زمانے میں حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کہلانے والے لوگوں کی اکثریت، حضرت علیؑ کی شہادت اور معاویہ کی موت کے بعد ان معنوی شیعوں کو رافضی کہنے لگ گئی۔ اور آج شیعوں کی مذکورہ اقسام شیعیان جعفریہ حقہ اثنا عشریہ کو بھی

بالاسری کہتی ہے کبھی قشری کہتی ہے کبھی مقصر کہتی ہے کبھی خالصی کہتی ہے اور کبھی وہابی کہتی ہے ۔اور اسکی تفصیل ہماری کتاب ”شیخیت کیا ہے اور شیخی کون اور کیا خاصیت بھی کوئی مذہب ہے“ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اس صورت حال میں شیعیان حقیقی ومعنوی کے عقائد کا مذکورہ شیعوں کی اقسام کے عقائد سے فرق بیان کرنے کیلئے کچھ تفصیل کی ضرورت تھی ۔لہذا کتاب اتنی مختصر نہیں رہی جتنی مختصر کتاب کی فرمائش کی گئی تھی۔

وما علینا الاالبلاغ

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

اظہار تشکر و دعا

اس کتاب کی طباعت کے لئے برمنگم انگلینڈ سے جناب میر ضمیر حسین صاحب نے تعاون فرمایا ہے۔ دعا ہے کہ خداوند تعالی ان کے تمام مرحومین علی الخصوص
جناب میر جمشید علی ۔سید لہراسب حسین ۔ملک عبدالرحیم ۔مائی رابعہ بی بی اور سید منظور حسین کو جزائے خیر دے ۔اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم .بسم اللہ الرحمن الرحیم .الحمد للہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین. امابعد فقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی کتابہ المبین وفرقانہ الحمید بسم اللہ الرحمن الرحیم .یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم .ان للہ علیم خبیر.

ترجمہ۔ اے انسانوں ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔اور تمہارے قبیلے اور شاخیں اس لئے بنائیں تا کہ ایک دوسرے کی آپس میں پہچان ہو۔بیشک اللہ کے نزدیک تم میں مکرم اور عزت دار وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے بیشک اللہ علیم وخبیر ہے۔

تمہید۔قرآن کریم کی یہ آیت روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں سے مخاطب ہے۔ اور انھیں اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ان کے باپ کا نام آدم تھا اور ماں کا نام حوا۔

خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو روئے زمین پر بسنے والی پہلی مخلوق یعنی جنوں اور حضرت آدم وحوا سے پیدا ہونے والی اولاد یعنی انسانوں کے لئے ہادی بنا کر بھیجا تھا اور ان کے لئے نبی بنا کر مبعوث کیا تھا جبکہ تمام جنوں اور انسانوں کو عقل وشعور کے ساتھ حریت و آزادی دیگر ارادہ واختیار کا مالک بنایا تھا۔اور ہادیان دین کی اطاعت کے سوا اور کسی کی اطاعت کا پابند نہ کیا تھا اور ہادیان دین کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا تھا۔تا کہ وہ اپنے

ارادہ واختیار سے ہادیان دین کی اطاعت وپیروی کر کے جزا کے مستحق ہوں اور جنت کے حقدار قرار پائیں۔

اس طرح سے ہادیان دین کے پاس اپنی اقتدار کی قیادت بھی تھی اور دنیاوی اقتدار کی قیادت بھی خدا نے انہیں کے پاس رکھی تھی۔ اور انکی اطاعت خدا کی اطاعت سمجھی جاتی تھی۔

لیکن ابلیس نے جو جنوں کی قوم سے تھا سرکشی اختیار کی اور خدا کے حکم کے باوجود حضرت آدمؑ کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور جب خدا نے اسکی درخواست پر ایک وقت معلوم تک کی مہلت دیدی تو اس نے یہ اعلان کیا کہ وہ آدمؑ کی ساری اولاد کو بہکا کر گمراہ کرتا رہے گا۔ خدا نے اسے یہ اجازت اس لئے دی تا کہ وہ آدمؑ کی اولاد کو آزمائے کہ ان میں سے میرا حکم کون مانتا ہے اور ابلیس کی پیروی کون کرتا ہے۔

پس تمام ہادیان دین تو آدم کو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لانے کی تلقین کرتے رہے اور ابلیس شروع دن سے ہی اولاد آدم کو ہادیان دین سے برگشتہ کرتا رہا۔ اور جس طرح اس نے خود آدمؑ کے دینی ودنیاوی اقتدار کو تسلیم نہیں کیا تھا اسی طرح اس نے اکثر اولاد آدمؑ کو بھی ہادیان دین کی دینی ودنیاوی اقتدار کی قیادت سے منحرف کئے رکھا۔ اور دنیا کو انکی نظروں میں جلوہ گر کر کے انہیں دنیاوی اقتدار کی قیادت کا فریفتہ بنا دیا۔ لہذا اولاد آدمؑ کی اکثریت ہادیان دین کی موجودگی میں دنیاوی اقتدار پر تسلط جماتی رہی۔

اس کے علاوہ اس نے اولاد آدمؑ کو ایسا گمراہ کیا کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو خدا کے وجود کا ہی قائل نہ رہنے دیا۔ اگر چہ ابلیس خود تو خدا کو مانتا تھا اور اسے وحدہ لاشریک جانتا تھا لیکن اسنے بہت سے انسانوں کو توحید کا قائل نہ رہنے دیا ان میں سے بہت سے دو خداؤں کی خدائی کے قائل ہوگئے۔ نیکی کا خدا اور بدی کا خدا اور۔ بہت سے تین خداؤں کی خدائی کے قائل ہوگئے۔ بہت سے کئی کئی خداؤں کے قائل ہوگئے۔ کوئی سورج کو خدا

مان کر اس کی عبادت کرنے لگا۔ کوئی چاند اور ستاروں کو خدا ماننے لگا۔ کسی نے کسی حیوان کو خدا مان لیا اور کسی نے کسی خاص درخت کو خدا مان کر اسکی پوجا شروع کر دی۔ کچھ لوگ بتوں کو خدا ماننے لگے اور ہر قبیلہ اور ہر گروہ کا علیحدہ خدا بن گیا حتی کے بعض انسان بھی خدائی کے دعویدار بنے اور خدا کو صحیح معنوں میں خدا اور وحدہ لاشریک جانتے ہیں، مانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں۔ بہر حال کوئی دو خداؤں کو مانتا ہو۔ یا تین خداؤں کو مانتا ہو یا بہت سے خداؤں کو مانتا ہو۔ یا سورج چاند ستاروں کو خدا مانتا ہو، بتوں کو خدا مانتا ہو یا کسی خدائی کے دعویدار انسان کو خدا مانتا ہو۔ اس سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ خدا کے وجود کا منکر کوئی نہیں ہے۔ اور جو لوگ آج خدائی کے منکر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ اپنے قائدین کو اس مقام پر سمجھتے ہیں۔ جس مقام پر دوسرے خدا کو سمجھتے ہیں۔ یعنی انکی تعلیمات کو ناقابل تنسیخ اور ان سے انحراف کرنے والے کو مرتد اور قابل گردن زدنی سمجھتے ہیں۔

پس لوگوں کا مختلف چیزوں کو خدا ماننا یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کا خدا کے وجود پر تو ایمان ہے لیکن انہیں خدا کی صحیح معرفت نہیں ہے اور ان سے خدا کو پہچاننے میں غلطی ہوئی ہے لہذا اصل چیز معبود حقیقی کو پہچاننا ہے اور ہر شخص پر لازم ہے یہ بات کہ وہ خدا کو پہچانے۔

باب اول

معرفت باری تعالیٰ کا بیان

ہمیں اولاد آدم کے سامنے خدا کا وجود ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ سب مانتے ہیں کہ خدا ہے۔ اسی لئے ہادیان دین اور انبیاء ورسل اولاد آدمؑ سے مقام استدلال میں یہ کہتے تھے کہ:

"قالت اسلهم افی الله شک فاطر السموٰت والارض"۔ (ابراهیم۔10)

"کیا تم کو خدا کے وجود میں کچھ شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خلق کرنے والا ہے"

نزول قرآن کے وقت عربوں کا بھی جو کچھ عقیدہ تھا اسے قرآن نے اس طرح سے بیان کیا ہے کہ:

"اے رسول اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے کہ خداوند عزیز و دانا نے انہیں پیدا کیا ہے"۔ (زخرف۔9)

حضرت ابراہیم نے سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کرنے والوں کے سامنے ایک موثر انداز میں انکی خدائی کا انکار کر کے کہا تھا کہ:

"میں نے تو اپنا رخ اسی کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے۔ میں تو اس پر خالص ایمان رکھتا ہوں۔ اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں"۔ الانعام۔ 75 تا 79

اگر کوئی شخص کسی صحرا میں ایک عمارت بنی ہوئی دیکھے تو کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ خود بخود بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔ اور اسکا کوئی بنانے والا نہیں ہے؟

کیا آپ ایک چھوٹی سی گھڑی کو دیکھ کر یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اسکا کوئی بنانے والا نہیں ہے؟ تو کیا یہ وسیع و عریض جہان جس میں بے شمار ستارے چاند اور سورج گردش کر رہے ہیں کسی بنانے والے کے بغیر ہی بن گئے ہیں۔

یہ سب کے سب ایک نظم کے ماتحت رواں دواں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اپنے سے نہیں ہلتا۔ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نظم و ضبط اور سارے عالم کا یہ نظام خود بخود موجود ہو گیا ہے۔ اور اسکا کوئی ناظم نہیں ہے۔ یقیناً کوئی بھی نظم و ضبط بغیر کسی ناظم کے تصور نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی حرکت بغیر کسی حرکت دینے والے کے ممکن نہیں ہے۔ لہذا کوئی بھی مخلوق بغیر خالق کے اور کوئی بھی صنعت بغیر کسی صانع کے وجود میں نہیں آسکتی۔ ایک زندیق نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ:

"دنیا جہاں کے خالق کے ثبوت میں آپ کے پاس کیا دلیل ہے"۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

"خود موجودات کا وجود انکو وجود میں لانے والے پر بہترین دلیل ہے۔ کیا تو نے کبھی غور کیا ہے کہ جب تیری کسی عمارت پر نظر پڑتی ہے تو تو خود بخود جان جاتا ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے، چاہے تو نے اس کے بنانے والے کو نہ دیکھا ہو"۔

(احتجاج طبرسی۔ احتجاجات امام صادق با زندیق)

ابو عبداللہ دیصانی نے ان دنوں میں جب کہ وہ مادئین کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا اے جعفر صادق ابن محمدؐ مجھے میرے معبود کی معرفت کرایئے۔ آپ نے فرمایا:

"بیٹھ جاؤ! اس وقت ایک بچہ ہاتھ میں ایک انڈا لئے ہوئے اس سے کھیل رہا تھا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا ذرا یہ انڈا مجھے دو۔ اس بچے نے وہ انڈا امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیدیا۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "یہ انڈا ایک محکم اور مضبوط قلعہ ہے جس کا ایک مضبوط چھلکا ہے۔ اور اس مضبوط اور سخت چھلکے کے اندر نقرئی سیال اور مائع مادہ ہے اور ایک طلائی رنگ کا سیال و مائع مادہ ہے۔ معلوم نہیں ہے کہ یہ انڈا نر کے لئے پیدا کیا گیا ہے یا مادہ کے لئے؟ اس جیسے انڈوں سے انواع و اقسام کے رنگا رنگ مور پیدا ہوتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اس عمل کے لئے تمہارے نزدیک اس کا کوئی تدبیر کرنے والا ہے؟

"دیصانی کافی دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے کہا: اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك و اشهد ان محمداً عبده ورسوله ، وانك امام وحجة من الله على خلقه وانا تائب مما كنت فيه"

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے، اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور آپ لوگوں پر خدا کی حجت اور امام وہادی خلق ہیں اور میں اپنے باطل عقیدہ سے توبہ کرتا ہوں"۔ (وافی جلد 1 صفحہ 71)

باب دوم - توحید

خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے یعنی وہ لاشریک ہے

عزیزان گرامی خدا کے وجود کا مسئلہ اتنا متنازعہ نہیں رہا جتنا کہ توحید کا مسئلہ۔ یعنی خدا کے سوا اور کسی خدا کے نہ ہونے کا مسئلہ اور سارے ہادیان دین اور تمام انبیاء ورسل توحید کا ہی درس دینے کے لئے آئے۔

چونکہ عقائد کو دلیل کے ساتھ جاننا ضروری ہے لہذا خدا نے قرآن میں اپنی توحید کے ثبوت میں اتنی عقلی دلائل پیش کی ہیں جتنی شائد اور کسی بات کے ثبوت کے لیے پیش نہ کی ہونگی۔ نمونہ کے طور پر صرف دو آیات پیش کیجاتی ہیں۔

نمبر 1۔ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

"اگر آسمان اور زمین میں خدا کے علاوہ کچھ اور بھی خدا ہوتے تو کارخانہ آفرینش تباہ وبرباد ہوجاتا"۔ (انبیاء۔22)

نمبر 2۔ "سورہ مومنون میں کارخانہ آفرینش کی تباہی وبربادی کا سبب بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

"اس کے ساتھ کوئی اور خدا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی اور بھی خدا ہوتا تو اس صورت میں ہر خدا اپنی مخلوق کی تدبیر کرتا اور ان میں سے بعض دوسرے بعض پر چڑھ دوڑتا" (المومنون۔91)

ان تمام دلائل کے ساتھ خدا خود اپنی واحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے:

خدا خود اس بات کا گواہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔

توحید کی اقسام

عزیزان گرامی جب یہ معلوم ہوگیا کہ خدا یعنی لی واحد و یکتا و یگانہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اور تمام ہادیان دین اور انبیاء ورسل اسکی توحید کا ہی پرچار کرتے رہے، تو اس بات کا سمجھنا بھی ضروری ہے کہ توحید کی چار اقسام ہیں۔

نمبر 1۔ توحید ذات نمبر 2۔ توحید صفات نمبر 3۔ توحید افعال نمبر 4۔ توحید عبادت

اب ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ بیان اسطرح ہے:

نمبر1: توحید ذات: توحید کی پہلی قسم توحید ذات ہے توحید ذات سے مراد یہ ہے کہ وہ یکتا و یگانہ اور بے مثل و بے نظیر ہے۔ اور اسکی ذات کے لئے نہ تو خارج میں کوئی دوسرا تصور ہوسکتا ہے اور نہ ہی ذہن میں کسی دوسرے کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

نمبر 2: توحید صفات: توحید کی دوسری قسم توحید صفات ہے توحید صفات کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی صفات زائد بر ذات نہیں ہیں۔ بلکہ اسکی صفات اسکی عین ذات ہیں

خداوند تعالیٰ کی صفات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

نمبر1: خداوند تعالیٰ کی صفات جمال وکمال جنہیں صفات ثبوتیہ بھی کہتے ہیں۔

نمبر2: صفات جلال جنہیں صفات سلبیہ بھی کہا جاتا ہے۔

ان دونوں صفات میں سے پہلے ہم صفات جمال وکمال یعنی صفات ثبوتیہ کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

خدا کی صفات ثبوتیہ کا بیان: صفات ثبوتیہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ صفات ذاتاً صرف

خداوند تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ اور اسکی عین ذات ہیں۔ اور یہ صفات ذاتاً کسی میں نہیں پائی جاتیں اور جملہ صفات جمال و کمال اور سب اچھی اچھی صفات خداوند تعالیٰ میں موجود ہیں اور سب کی سب اسکی عین ذات ہیں۔

اسی طرح خداوند تعالیٰ کے تمام اسماء یا اسم ذات ہے یا اسمائے صفات ہیں یا اسمائے افعال ہیں۔ چنانچہ بحارالانوار جلد 2 صفحہ 186 پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے خدا کے جو 99 نام بیان کئے گئے ہیں وہ سب کے سب اس کے اسم ذات اسمائے صفات اور اسمائے افعال پر ہی مشتمل ہیں۔ لیکن علمائے شیعہ نے خدا کیلئے آٹھ صفات کو خاص طور پر اور خصوصیت کے ساتھ اس لئے بیان کیا ہے کیونکہ بہت سے لوگوں نے خدا کی ان صفات میں دوسروں کو بھی شریک کر دیا ہے۔ ان آٹھ صفات ثبوتیہ کا بیان اس طرح ہے۔

پہلی صفت قدیم۔ خداتعالیٰ قدیم و ازلی اور باقی و ابدی ہے کیونکہ خدا واجب الوجود ہے۔ نہ اس سے پہلے اس کے لئے عدم ہے نہ کبھی بعد میں عدم ہے۔ یہ چاروں صفتیں خدا کے واجب الوجود ہونے کے لئے لازم ہیں۔ یعنی اگر وہ قدیم و ازلی اور باقی و ابدی نہ ہوگا تو واجب الوجود نہ رہے گا۔ اس صفت کا بیان خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ مادئین، فلاسفہ اور وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے دوسروں کے بھی قدیم ہونے کے لئے قائل ہیں۔ چنانچہ دہریے مادہ کو قدیم مانتے ہیں عیسائی حضرت عیسےٰ کو قدیم مانتے ہیں فلاسفہ اور صوفی وحدت الوجودی ہر شے کو قدیم مانتے ہیں۔ اور مذہب شیخیہ کے نزدیک محمد و آل محمد قدیم ہیں۔ حالانکہ قدیم ذات خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ بلکہ ساری کائنات حادث ہے اور اسکی مخلوق ہے۔ اسکی کچھ تشریح صفات سلبیہ کے ضمن میں وحدت الوجود کے بیان کی جائیگی۔

دوسری صفت قادر مختار۔ خداوند تعالیٰ قادر مختار ہے کیونکہ اگر وہ قادر مختار نہ ہوگا تو پھر وہ قادر موجب ہوگا جسے فاعل مجبور بھی کہتے ہیں۔ فاعل مجبور کی صورت میں۔ یا موثر کا حادث ہونا لازم آئیگا یا عالم کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ فاعل موجب یا فاعل مجبور کا اثر فاعل موجب کی ذات سے جدا نہیں ہوتا اور موثر یعنی خداتعالیٰ کا حادث ہونا بھی باطل ہے اور عالم کا قدیم ہونا بھی باطل ہے۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ خدا قادر مختار ہے۔

فاعل قادر مختار کسے کہتے ہیں۔ فاعل قادر مختار وہ ہوتا ہے جو ایک ہی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر مع قصد و ارادہ قدرت و اختیار رکھتا ہو۔

فاعل موجب کسے کہتے ہیں۔ فاعل موجب وہ ہوتا ہے جسے ایک ہی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر قدرت و اختیار نہ ہو اور نہ ہی اسکا کوئی قصد و ارادہ ہو۔ مثلاً آگ اپنے جلانے میں فاعل موجب یا فاعل مجبور ہے۔ یعنی وہ مجبور ہے کہ جلائے۔ اسے اس بات کا کوئی اختیار نہیں ہے کہ نہ جلائے اور نہ ہی اس کے جلانے میں اس کے قصد و ارادہ کا کوئی دخل ہوتا ہے تمام فلاسفہ غیر مسلم ہوں یا مسلم۔ شیعہ ہوں یا سنی خدا کو ایک علت کی طرح مانتے ہیں جس میں صرف ایک ہی چیز نکل سکتی ہے۔ پس فلاسفہ یونان کے نزدیک خدا کے اندر سے صرف عقل اول نکلی اور کچھ نہیں۔ نصاریٰ کے نزدیک خدا کے اندر سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نکلے اور کچھ نہیں صوفیہ وحدت الوجودیہ کے نزدیک ہر شے خدا کی نسبت سے ایسے ہے، جیسے دریا اور موج دریا۔ یا مٹی اور کوزہ۔ یا سیاہی اور حروف اور یہی مذہب ملا صدرا اور اسکے فلسفہ کی پیروی کرنے والوں کا ہے۔ جو اس نے اپنی کتابوں "مشاعر"، "عرشیہ"، "اسفار اربعہ" اور شواہد ربوبیہ وغیرہ میں بیان کیا ہے اور مذہب شیخیہ نے مذکورہ فلسفہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ خدا کے اندر سے صرف محمد و آل محمد کا نور اسطرح سے نکلا جس طرح

سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اس کے بعد خدا نے کچھ نہیں کیا پھر جو کچھ کیا وہ محمد وآل محمد نے کیا۔

تیسری صفت خدا عالم ہے۔ خداوند تعالیٰ عالم ہے اور علم اسکی عین ذات ہے اسکو ہر شے کی خبر ہے اس لئے کہ وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ گذرے ہوئے زمانے کی باتیں اور آنے والے زمانے کی باتیں سب اس کے سامنے ہیں۔ کسی بات کو جاننے کے لئے اس کو کسی غور وفکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چونکہ وہ ہر شئی کا خالق ہے اس لئے اسے ہر شے کا علم ہے: "وخلق کل شی وھو بکل شی علیم" ۔ (الانعام ۔102) یعنی اس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پس اس کے عالم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تمام چیزیں اس کیلئے ظاہر ہیں اور اسکے سامنے حاضر ہیں۔ اور کوئی شے اس سے غائب نہیں ہے۔ "عالم الغیب والشھادہ وھو الحکیم والخبیر" ۔ (الانعام ۔73)
وہ غیب کا بھی عالم ہے اور حضور کا بھی عالم ہے اور وہ حکمت والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے

تمام انبیاء کو جتنا بھی علم ہوتا ہے وہ حسب ضرورت خدا ہی انہیں بذریعہ وحی عطا کرتا ہے لیکن مفوضہ اور مذہب شیخیہ والے محمد وآل محمد کو عالم الغیب سمجھتے ہیں اور ان کے مبلغ ہمارے منبروں پر اس بات کو برملا بیان کرتے ہیں۔ چونکہ مذہب شیخیہ خدا کے اندر سے صرف محمد وآل محمد کے نکلنے کا مدعی ہے۔ اس کے بعد سب چیزوں کو خلق کرنے اور سارے عالم کا نظام چلانے کے بارے میں محمد وآل محمد کو علت فاعلی کہتا ہے۔ لہذا وہ ان کا علم وحی کے ذریعہ نہیں بلکہ اسی طرح سے مانتا ہے جس طرح سے خدا نے اپنی عالم ہونے کو بیان کیا ہے یعنی "خلق کل شی وھو بکل شی علیم " (الانعام 101) یعنی خدا نے ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ لہذا وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ مذہب شیخیہ کے نزدیک ہر شے کے خالق محمد وآل محمدؑ ہیں لہذا وہ انہیں ہر شے کا خالق ہونے کی بناء پر عالم الغیب مانتے ہیں۔

چوتھی صفت خدا مدرک ہے۔ خداتعالیٰ مدرک ہے یعنی جن چیزوں کو ہم دماغ سے معلوم کرتے ہیں۔ آنکھوں کے ذریعہ دیکھتے ہیں۔ کانوں سے سنتے ہیں۔ خدا کو ان سب چیزوں کی خبر ہے۔ لیکن اسے ان چیزوں کے جاننے میں نہ دماغ کی ضرورت ہے نہ کانوں کی نہ آنکھوں کی۔ ارشاد خداوندی ہے: "لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر"۔ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ وہ لطیف وخبیر ہے اور مدرک ہونا اس کی عین ذات ہے۔

پانچویں صفت خدا حیؔ ہے۔ پانچویں صفت خداتعالیٰ کی یہ ہے کہ خدا حیؔ ہے۔ یعنی خدا کی ذات ہمیشہ سے زندہ اور قائم ہے۔ اسکو کبھی موت اور فنا نہیں۔ اور خدا کا حیؔ ہونا عین ذات ہے۔ لیکن ہماری حیات عطائے الٰہی ہے۔ کیونکہ وہ حیات کا پیدا کرنے والا ہے لہذا وہ خود صاحب حیات ہے۔ یعنی زندہ ہے۔ حیؔ ہے۔ اور وہ ایسا حیؔ ہے جو قیوم بھی ہے ارشاد خداوندی ہے۔ "اللہ لا الہ ھو الحی القیوم" (آل عمران ۔2، البقرہ ۔255)
یعنی اللہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے زندہ ہے اور قیوم ہے۔

یہ پانچوں کی پانچوں صفات خدا کی عین ذات ہیں اور اسکی ذات سے جدا۔ یا زائد بر ذات یا اضافہ نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو سراسر علم ہے۔ سراسر قدرت ہے سراسر مدرک ہے اور سراسر حیؔ القیوم ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا اسکا لازمہ ترکیب ہے۔ اور اگر وہ مرکب ہو تو وہ اپنے اجزا کا محتاج ہو جائیگا۔ اور جو محتاج ہو وہ واجب الوجود خدا نہیں ہوسکتا ہے۔

لیکن شیعہ علمائے اعلام نے خدا کے لئے جو آٹھ صفات ثبوتیہ بیان کی ہیں ان میں سے مذکورہ پانچ صفات تو خود اسکی عین ذات ہیں۔ مگر باقی کی تین صفات یعنی اسکا صادق ہونا۔ مرید وکارہ ہونا۔ اور اسکا متکلم ہونا ایسی صفات ہیں۔ جن کی بازگشت ایک صفت حقیقی کی

طرف ہے اور وہ اسکا جمیع مخلوقات کا ادارہ کرنا یعنی "القیومیہ لمخلوقاتہ" ہے۔ اور اسکا حیّ وقیوم ہونا اسکی عین ذات ہے۔ لہذا وہ تمام صفات جن کی بازگشت اس کی اس صفت حقیقی یعنی "القیومیۃ لمخلوقاتہ" کی طرف ہے وہ اس کی اس صفت یعنی "القیومیۃ لمخلوقاتہ" کے ماتحت ہیں اور قیوم اس کو کہتے ہیں جس کے سہارے ساری کائنات قائم ہے۔ گویا یہ اسکی صفات فعلیہ ہیں اور اسکی ربوبیت سے تعلق رکھتی ہیں۔

آیت اللہ ابوالقاسم الخوئی فرماتے ہیں۔

صفات فعلیہ وہ صفتیں ہیں جو موصوف کے ساتھ اس کے کسی فعل کی نسبت سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً۔ ارادہ، تکلم، صدق، رحمت اور غفران کے افعال کی بناء پر مرید، متکلم، صادق، رحیم اور غفور وغیرہ۔

ایسی صفات فی نفسہ خارج اور زائد عن الذات ہونے کے باوجود ہمارے اعتبارات کے لحاظ سے ذاتیہ صفتوں کی طرح عین ذات ہوتی ہیں۔ یعنی یہ کہ کسی میں تکلم پیدا کرنے کی صفت اس میں عارضی نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کی ذات کے مفہوم الوہیت میں شامل ہیں۔ اسی طرح خدا کا رب ہونا بھی القیومیۃ لمخلوقاتہ کے ماتحت ہونے کی وجہ سے اس کی عین ذات ہے۔

چھٹی صفت مرید وکارہ ہونا۔ یعنی ارادہ کرنے والا اور کراہت کرنے والا۔ کیونکہ اشیاء پیدا کرنے میں تقدم وتاخر کے لئے کسی مخصص کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ مخصص اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ (جب کسی شے کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اسی وقت میں پیدا کیا) علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے بعض افعال کے بجالانے کا حکم فرمایا ہے اور بعض کے نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور امر ونہی ارادہ وکراہت کو مستلزم ہے۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "انما امرہ اذا اراد شیأ ان یقول لہ کن فیکون" (یٰسین۔82)

سوائے اس کے نہیں کہ خدا کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے کہ اسے یہ کہے کہ ہوتو وہ چیز ہو جاتی ہے۔

خداوند تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ وہ "مرید" ہے یعنی ارادہ کرنے والا ہے۔ اور ہر کام اپنے ارادہ سے کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے خلق عالم کا نظام اس طرح سے قرار دیا ہے کہ ہر شے اسی کے ارادہ اور مشیت سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن شیخ احمد احسائی اور مذہب شیخیہ چونکہ ساری کائنات کی علت فاعلی اور ہر شے کا خالق محمد وآل محمد کو قرار دیتا ہے۔ لہذا اس نے خدا تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کو خارج میں ایک مستقل وجود رکھنے والی شے قرار دیدیا ہے جو وحدہ لاشریک خالق اور اسکی مخلوقات کے درمیان آلہ اور واسطہ ہے۔ جس کا نام انہوں نے قدرت اللہ اور مشیت اللہ رکھا ہے۔ اِن لوگوں نے خدا کی مشیت اور ارادہ کو ایک مستقل وجود رکھنے والی خارج میں ایک چیز سمجھ لیا ہے حالانکہ مشیت وارادہ الٰہی کا علیحدہ سے خارج میں کوئی مستقل وجود نہیں ہے اور اس بات پر محمد بن عرفہ کی وہ روایت شاھد ہے جو اس نے امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء عالم کو قدرت کے واسطہ سے پیدا کیا ہے۔ یا بغیر قدرت کے تو حضرت نے فرمایا:

"گویا تو قدرت کو ایک ایسی چیز قرار دے رکھا ہے جو ذات خداوند عالم سے علیحدہ مستقل وجود سے موجود ہے اور اسکو تو نے ایسا آلہ اور واسطہ قرار دے رکھا ہے کہ جس کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے دیگر اشیاء کو پیدا کیا ہے فرمایا کہ یہ شرک ہے لہذا ایسا ہرگز جائز نہیں"۔

اس ارشاد امام کے مطابق شیخیوں کا خدا کی مشیت وارادہ کو علیحدہ سے ایک مستقل اور خارج میں وجود قرار دینا اور اسکو خلق کا آلہ اور واسطہ قرار دینا بھی شرک ہے۔

ساتویں صفت خدا صادق ہے۔ ساتویں صفت ثبوتیہ خدا کا صادق ہونا ہے۔ یعنی

خدا کی ہر بات سچی ہے۔ خدا کا ہر وعدہ سچا ہے۔ جو خبریں وہ دیتا ہے سب پوری ہوتی ہیں جو اس کے وعدے ہیں سب سے پورے ہو کر رہیں گے۔ ارشاد رب العزت ہے: "ومن اصدق من اللہ قیلا"۔ (النساء۔123) "اور خدا سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا کون ہے؟"

اگر خدا کی باتیں جھوٹی ہوں۔ اس کے وعدے جھوٹے ہوں تو اس پر کسی کو بھی بھروسہ اور اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے حکموں کی کوئی تعمیل نہ ہو سکے۔ اور دین و دنیا کا انتظام خراب ہو جائے۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار کہا ہے کہ ہر چیز کا خالق میں ہوں اس نے جتنے نبی و رسول بھیجے۔ وہ سب کے سب بشر تھے۔ انسان تھے اور مرد تھے اسکا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے۔ لیکن فلاسفہ و صوفیہ و شیخیہ جو خود کو شیعہ اثنا عشری ظاہر کرتے ہیں خدا کو ہر چیز کا خالق نہ مان کر۔ اور انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے بشر اور انسان ہونے سے انکار کر کے اور وحدت الوجود کے ذریعہ اسکے مثل و نظیر ہونے کا عقیدہ اپنا کر خدا کے صادق ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اس کے اقوال کو جو اس نے قرآن میں بیان کئے ہیں جھوٹا سمجھتے ہیں اور اس طرح خدا کو قرآن کو جبرائیل کو وحی کو انبیاء و رسل کو اور سارے ہادیان دین کو جھٹلاتے ہیں اور ان سب کو جھٹلانے پر ہماری مجالس میں بہت زیادہ واہ واہ ہوتی ہے اور خوب داد ملتی ہے۔

آٹھویں صفت خدا کا متکلم ہونا ہے۔ آٹھویں صفت خدا کی اسکا متکلم ہونا ہے یعنی خدا کو یہ قدرت ہے کہ وہ جس چیز میں چاہے اپنا کلام قائم کر کے لوگوں کو سنوا دے۔ جیسے خدا نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس طرح باتیں کی تھیں کہ اپنا کلام ایک درخت میں قائم کر دیا۔ اس درخت سے آواز آتی تھی۔ حضرت موسیٰ سنتے تھے۔

خدا نے اس درخت میں حلول نہ کیا تھا۔ جیسا کہ صوفیوں کا استدلال ہے کہ خدا نے

درخت کے اندر حلول کر کے اس کے اندر سے کلام کیا۔

یہ صوفیوں کا اپنے اندر خدا کے حلول کرنے کے بارے میں درخت سے کلام کرنے کے ذریعہ استدلال ہے۔ چنانچہ ایک صوفی نے کہا ہے:

روا باشد انا الحق از درختے۔ چرا نبود روا از نیک بختے

یعنی جب ایک درخت کے اندر سے "میں خدا ہوں" کی آواز کا آنا روا ہے تو پھر کسی نیک بخت آدمی کے اندر سے اس آواز کا آنا کیوں روا نہ ہوگا۔

اس صوفی کے نزدیک خدا نے اس درخت کے اندر حلول کیا تھا لہذا اسی طرح اگر منصور حلاج کے اندر حلول کیا تو اس میں کیا غلط بات ہے۔

لیکن یہ نظریہ اور عقیدہ غلط ہے کیونکہ خدا نے درخت کے اندر حلول نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے اپنی قدرت سے درخت کے اندر اپنا کلام پیدا کیا۔ اور وہ کلام بھی درخت کا اپنا کلام نہ تھا۔ بلکہ خدا کا کلام تھا اور اس کے متکلم ہونے کا مطلب یہی ہے۔

چونکہ خدا کی ان صفات کو صوفیوں نے مفوضہ نے اور شیخیوں نے خدا کے علاوہ اور دوسروں کے لئے روا رکھا ہے لہذا ہمارے بزرگ علماء نے خدا کے لئے ان آٹھ صفات ثبوتیہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ورنہ خدا میں تمام صفات جمال و کمال موجود ہیں اور قرآن میں اسکے جتنے نام آئے ہیں وہ سب اس کے اسمائے صفات ہی ہیں۔ خدا کی صفات ثبوتیہ کے بیان کے بعد اب ہم خدا کی صفات سلبیہ کا بیان کرتے ہیں۔

خدا کی صفات سلبیہ کا بیان

آیت اللہ آقائے ابوالقاسم خوئی فرماتے ہیں کہ صفات سلبیہ وہ صفتیں ہیں جو کسی حالت وغیرہ کو ذات باری تعالیٰ سے سلب کرنے (یعنی اس کی ذات میں نہ پائے جانے کا اظہار کرنے) کی بناء پر اسکی صفات قرار پاتی ہیں۔

بزرگ شیعہ علماء نے خدا کے لئے سات صفات سلبیہ کا خاص طور سے بیان کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات جملہ عیوب اور صفات ناقصہ سے پاک ہے مگر علمائے شیعہ نے ان سات صفات کو خصوصیات کے ساتھ صفات سلبیہ کے طور پر اس لئے بیان کیا ہے۔ کیونکہ دوسرے لوگوں مثلاً کفار میں سے مادئین وفلاسفہ ومجوس وہنود نے اور الہامی مذاہب میں سے یہود ونصاریٰ نے اور مسلمانوں میں سے مسلم شیعہ فلاسفہ وصوفیہ حلولیہ ووحدتیہ واتحادیہ نے خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی ۔اور شیخیہ اثنا عشری ہی کہتے ہیں۔ خدا کے بارے میں ایسے عقائد کو پھیلایا ہے۔ لہذا شیعہ علمائے اعلام نے صرف ان سات صفات سلبیہ کی خصوصیات کے ساتھ عیوب ونقائص ہونے کی بناء پر خدا میں ہونے کی نفی ہے وہ سات صفات سلبیہ اس طرح سے ہیں:۔

نمبر ا۔ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ خدا لاشریک ہے اور بزرگ علمائے ش نے شرک کو صفات سلبیہ کی سب سے پہلی صفت کے طور پر اس لئے بیان کیا ہے۔ کیونکہ تمام مذاہب خدا کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن انہوں نے کسی نہ کسی کو اسکی ذات میں ۔ اسکی صفات میں۔ اسکے افعال میں اور اسکی عبادت میں شریک بنالیا ہے۔ اور شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں خدا نے یہ فرمایا ہے کہ میں ہر گناہ کو بخش دونگا لیکن شرک کو نہیں بخشونگا۔ مسلمانوں کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں ان کے شرک کو تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام نے انہیں کے مقابلہ میں قیام کیا ہے۔ لیکن بنی عباس کے دور میں مسلمانوں کو آئمہ اطہار سے علوم اسلامی حاصل کرنے سے روکنے کے لئے یونانی فلسفہ کی کتابیں درآمد کی گئیں ان کے عربی زبان میں ترجمے کئے گئے ان کے درس وتدریس کا انتظام کیا گیا۔ طلبہ کو فلسفہ پڑھنے کی طرف راغب کرنے کے لئے خصوصی مراعات دی گئیں لہذا فلسفہ کی تعلیم عام ہوگئی۔

چونکہ فلسفہ یونان وحدت الوجود کا قائل ہے اور خدا کو علت قرار دیکر اس میں سے ایک

چیز کے علاوہ اور کسی چیز کے صادر ہونے کا قائل نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے۔ **"الواحد لایصدر عنہ الا الواحد"۔**

غرض وہ وحدت الوجود کا فلسفہ ہے جسے مسلمان علماء نے کفر وشرک قرار دیا ہے۔ پس صوفیوں میں سے محی الدین ابن عربی نے وحدت الوجود کے فلسفہ کو اپنایا۔ اور یہ کہا کہ ہر چیز خدا ہے۔ اور خدا کی مثال ایسی ہے۔ جیسے دریا اور موج دریا یا مٹی اور کوزہ۔ یا سیاہی اور حروف۔ کیونکہ موج دریا اصل میں دریا ہی ہے۔ اور کوزہ اصل میں مٹی ہی ہے۔ اور حروف اصل میں سیاہی ہیں فرق صرف اعتباری ہے۔ اسی طرح کائنات کی ہر چیز خدا ہے۔ اسی فلسفہ کو شیعہ فلاسفہ میں سے ملا صدرا نے اپنایا اور فلسفہ پر بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً کتاب مشاعر۔ کتاب عرشیہ۔ اسفار اربعہ۔ شواہد الربوبیہ اور اسرار الآیات وغیرہ چونکہ ملا صدرا نے جو شیعہ اثنا عشری گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنی کتابوں میں وحدت الوجود کے نظریہ کو اپنایا تھا لہذا بزرگ شیعہ علماء نے اس کے فلسفیانہ نظریات کو کفر وشرک زندقہ و بے دینی قرار دیا تھا۔

اسی زمانے میں جب کہ ملا صدرا کے فلسفی نظریات کا ایران میں عام چرچا تھا۔ شیخ احمد احسائی شیعہ علماء کے لباس میں ایران میں داخل ہوا۔ اور اس نے ملا صدرا کے فلسفہ کو فلسفہ یونان سے اور قریب تر کر کے نئے رنگ میں پیش کیا۔ اس نے ملا صدرا کی کتابوں۔ مشاعر اور عرشیہ پر شرحیں لکھیں اور خود اپنی طرف سے نئے انداز میں فلسفہ پر کتاب فوائد لکھی پھر اپنی ہی کتاب فوائد کی شرح فوائد کے نام سے خود ہی شرح لکھی اور زیارت جامعہ کی شرح اپنے فلسفہ کے مطابق تحریر کی۔ اگر چہ اس نے ملا صدرا کے فلسفہ کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا مگر بنیادی نظریہ وہی رہا۔ کہ خدا کے اندر سے ایک چیز کے سوا اور کوئی چیز صادر نہیں ہوسکتی۔ لیکن شیخ احمد احسائی نے اپنے طور پر خود ساختہ من گھڑت فلسفہ کو فلسفہ یونان سے اور زیادہ قریب کر دیا۔ اتنے سے فرق کے ساتھ کہ یونانی فلسفہ کے مطابق خدا کے اندر سے صرف عقل اول

نکلی ۔نصاریٰ کے نزدیک خدا کے اندر سے صرف حضرت عیسیٰ نکلے اور دوسرے فلاسفہ شیعہ مثلاً ملا صدرا کے نزدیک خدا کے اندر سے جو مادہ نکلا اس سے سب سے بہترین حصہ سے محمد وآل محمد کا نور خلق کیا پھر باقی کے بچے ہوئے مادہ سے جو سب سے بہترین تھا اس سے انبیاء کا نور خلق کیا پھر باقی کے بہترین حصہ سے اسی ترتیب سے انسانوں ،جنوں ،فرشتوں ،حیوانات ،نباتات اور جمادات کے نور کو پیدا کیا۔ لیکن شیخ احمد احسائی نے کہا کہ سب سے پہلے خدا کے اندر سے محمد وآل محمد کا نور نکلا اس طرح جس طرح سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں ۔ پھر محمد وآل محمد کے نور سے جو شعاعیں نکلیں وہ انبیاء کا نور بنا اسی طرح ہر طبقہ کے نور کی شعاع سے اگلے طبقہ کا نور بنتا گیا یعنی انسانوں ،فرشتوں ،حیوانات ،نباتات اور جمادات کا نور بنا۔

اس طرح فلسفہ یونان ہو یا دوسرے مسلمان فلاسفہ کا فلسفہ ملا صدرا کا فلسفہ ہو یا شیخ احمد احسائی کا فلسفہ ،سنی صوفیوں کا فلسفہ ہو یا شیعہ صوفیوں کا فلسفہ ،ان سب کا فلسفہ بلا شک وشبہ وحدت الوجود کا فلسفہ ہے اور بزرگ علمائے اہل سنت اور بزرگ علمائے شیعہ جعفریہ حقہ اثنا عشریہ نے وحدت الوجود کے عقیدے کو کفر وشرک وزندقہ وبے دینی قرار دیا ہے۔ چونکہ شیخ احمد احسائی کے من گھڑت فلسفہ کے مطابق محمد وآل محمد کا نور خدا کے اندر سے اسطرح نکلا جس طرح سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور پھر تمام کائنات کے تمام طبقات ان کے نور کی شعاعوں سے مرحلہ وار بنے ہیں لہذا وہ محمد وآل محمد کو کائنات کی علت فاعلی قرار دیتا ہے یعنی ساری کائنات کے خالق ورازق ومحی وممیت ومدبر کائنات اور سارے جہان کا نظام چلانے والے وہی ہیں۔

شرک توحید کی ضد ہے پس جس طرح توحید کی چار اقسام ہیں اسی طرح شرک کی بھی چار اقسام ہیں اور وہ یہ ہیں:

نمبر 1۔شرک فی الذات نمبر 2 ۔شرک فی الصفات نمبر 3۔شرک فی الافعال اور شرک فی العبادہ۔

لہذا کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو اسکی ذات میں اسکی صفات میں اسکے افعال میں اور اسکی عبادت میں شریک جانے اور مانے۔ اب ہم شرک کے بیان کے بعد دوسری صفات سلبیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نمبر 2۔ خدا مرکب نہیں ہے۔ خدا کی صفات سلبیہ میں سے دوسری صفت یہ ہے کہ وہ ممکنات کی طرح مختلف اجزاء سے مل کر نہیں بنا۔

نمبر 3 ۔ خدا مجسم نہیں ہے۔ خدا کی صفات سلبیہ میں سے تیسری صفت یہ ہے کہ وہ مجسم یا مکین نہیں ہے جسے کسی محل یا مکان کی ضرورت ہو۔

نمبر 4۔ خدا کے لئے حلول واتحاد نہیں ہے۔ خدا کی صفات سلبیہ میں سے چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ کسی جسم کے اندر نہیں سماتا اور نہ ہی کسی جسم کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔

صوفی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا ان کے پیروں مرشدوں اور عرفا کے اندر حلول کرتا ہے ۔اور کچھ صوفی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا ان کے پیروں اور مرشدوں اور عرفا کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ جس طرح لوہا آگ میں پڑکر آگ ہو جاتا ہے۔ یا کوئلہ آگ میں پڑکر آگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صوفیوں کے پیروں مرشد اور عارف خدا کے ساتھ ملکر خدا بن جاتے ہیں۔

اسی دلیل کو جسے صوفیوں نے اپنے پیروں مرشدوں اور عرفاء کے لئے اپنایا ہے شیخ احمد احسائی اور روسائے مذہب شیخیہ نے اس دلیل کو بھی محمد وآل محمد کے لئے اختیار کیا ہے۔ یعنی جس طرح لوہا آگ کے ساتھ مل کر آگ کا کام کرتا ہے۔ اسی طرح محمد وآل

محمد نے خدا کا قرب حاصل کر کے خدا کی صفات حاصل کر لی ہیں اور وہ وہی کام کرتے ہیں جو خدا کے ہیں۔لیکن محی الدین ابن عربی نے عقیدہ اتحاد کو غلو کی حد تک پہنچا دیا ہے۔اس سے پہلے کے صوفیہ تو حلول واتحاد کو صرف اپنے مرشدوں اور عارفین کو خدا بنانے کے کام میں لاتے تھے۔لیکن محی الدین ابن عربی نے وحدت الوجود کے عقیدہ کو اپنا کر ہر چیز کے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ جس طرح دریا اور موج دریا ہے۔یا جس طرح مٹی اور کوزہ ہے یا سیاہی اور حروف ہیں۔اسی طرح خدا اور ساری کائنات کی مثال ہے اور فرق صرف اعتباری ہے۔

اس عقیدے کے شرک ہونے پر شیعہ وسنی بزرگ علماء کا اتفاق ہے۔لہذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ وحدت الوجود کے عقیدہ کو اپنائے۔

نمبر 5۔خدا محل حوادث نہیں ہے۔خدا کی صفات سلبیہ میں سے پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ محل حوادث نہیں ہے۔یعنی اس پر دنیا کے تغیرات۔نو بہ نو حالات۔یا جسمانی یا روحانی عوارض طاری نہیں ہوتے۔مزہ۔رنج۔خوشی۔ہنسی۔گریہ اور ایسی ہی دوسری حالتوں سے منزہ ومبرا ہے۔

نمبر 6۔خدا محتاج نہیں ہے۔خدا کی صفات سلبیہ میں سے چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ کسی انسان یا غیر انسان یا کسی حالت یا کیفیت کا محتاج نہیں ہے اور سب سے بے نیاز ہے اور غنی بالذات ہے۔

نمبر 7۔خدا کے لئے رویت بصریہ نہیں ہے۔خدا کی صفات سلبیہ میں سے ساتویں صفت یہ ہے کہ اس کے لئے رویت بصریہ نہیں ہے یعنی وہ دنیا وآخرت میں کسی بھی وقت کسی بھی جگہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا۔

مذکورہ سات صفات کو ہمارے بزرگ شیعہ علماء نے صفات سلبیہ کے طور پر خاص طور سے اس لئے بیان کیا ہے چونکہ شیعہ وسنی فرقوں میں سے بہت سے فرقوں نے خدا کے لئے ان صفات کو اپنے ایمان کا جزء بنالیا ہے۔ورنہ خدا ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔

توحید افعالی کا بیان

توحید کی تیسری قسم توحید افعالی ہے۔توحید افعالی یہ ہے کہ کسی بھی غیر خدا کو خدا تعالی کے افعال میں شریک نہ جانے۔اور اسکے کاموں کی کسی اور کی طرف نسبت نہ دے کیونکہ قرآن کریم اور احادیث معصومین علیہم السلام میں خدا تعالی کے افعال کو دوسری طرف نسبت دینے والے کو مشرک کہا گیا ہے۔

آیت اللہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء اپنی کتاب اصل واصول شیعہ میں لکھتے ہیں کہ ربوبیت میں کسی کو اسکا شریک نہ قرار دے۔اسکا یقین رکھے کہ خلق ورزق موت وحیات اور ایجاد واعدام اسی کی ذات سے متعلق ہے بلکہ اس عالم نیست وبود میں صرف اسی کی قدرت کاملہ کا عمل دخل ہے۔اور اگر خلق ورزق یا موت وحیات کو کوئی شخص خدا کے علاوہ کسی اور سے منسوب کرے تو کافر ومشرک اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائیگا۔اصل واصول شیعہ صفحہ 128 شیعان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے تمام افراد کا مذکورہ عقیدہ توحید افعالی پر کامل ایمان ہے۔لیکن مفوضہ اور شیخیہ رکنیہ کرمان اور شیخیہ احقاقیہ کویت جو خود کو شیعہ اثنا عشری ہی کہلاتے ہیں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے محمد وآل محمد کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا بلکہ اس کے بعد جو کچھ کیا اور جو کچھ کرتے ہیں وہ محمد وآل محمد ہی کرتے ہیں۔مفوضہ اور مذہب شیخیہ میں صرف یہ فرق ہے کہ مفوضہ محمد وآل محمد کے معجزات کو دلیل بناتے تھے اور شیخ احمد احسائی نے اپنے من گھڑت فلسفہ علل اربعہ کو دلیل بنایا ہے۔ورنہ مذہب شیخیہ اور مفوضہ میں اور کوئی فرق نہیں ہے۔اور ہمارے آئمہ طاہرین علیہم السلام نے مفوضہ کو کافر ومشرک

قرار دیا ہے اور ان پر لعنت کی ہے اور ان سے برملا اپنی برات کا اظہار کیا ہے۔

لیکن افسوس ہمارے منبروں پر مجالس میں مفوضہ اور مبلغین شیخیہ جو خود کو شیعہ اثنا عشری ہی کہتے ہیں۔ چھائے ہوئے ہیں۔ اور اکثر مجلس خواں مقررین اور 90 فی صد سے زیادہ ذاکرین یہی کچھ بیان کر کے سادہ لوح اور بے خبر شیعہ عوام کو فضائل کا جھانسہ دیکر گمراہ کر رہے ہیں۔ شیعہ جعفریہ اثنا عشریہ کہلانے والے فرقوں کا حال ہماری کتاب شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقوں میں پڑھئے۔ اور ان عقائد کا تفصیلی بیان ہماری کتاب ''العقائد الحقیدہ والفرق بین الشیعہ الحقیۃ الجعفریۃ الاثناعشریہ والشیخیۃ المخرفۃ الضالۃ المضلہ'' میں مطالعہ کریں۔

توحید در عبادت کا بیان

توحید کی چوتھی قسم توحید در عبادت ہے۔ توحید در عبادت کے بارے میں تمام مسلمانوں کے درمیان اتفاق کامل ہے اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس بات کا مخالف نہیں ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے اور تمام انبیاء نے خدائے وحدہ لاشریک کی ہی عبادت کی دعوت دی ہے۔ اور سب ہی نے اس کی عبادت کے سوا اور کسی کی عبادت کرنے کو شرک قرار دیا ہے۔

عبادت کی تعریف ۔ نمبر 1۔ عبادت کے بارے میں شیعہ علمائے اعلام اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی کو خدا سمجھ کر یا کسی کو خدا مان کر یا کسی کو خدائی افعال مثلاً خلق و رزق اور موت و حیات کا مصدر و فاعل سمجھ کر اس کے سامنے عملی طور پر یا لفظی اور زبانی طور پر خضوع کرے تو یہ اسکی عبادت سمجھی جائیگی۔

نمبر 2۔ اگر کسی کو رب مان کر یعنی اس عقیدہ کے ساتھ کہ کائنات کا ادارہ کرنا اور تدبیر کرنا

اس کے سپرد کر دیا گیا ہے اور اس کے سامنے عملی طور سے یا لفظی و زبانی طور پر خضوع کرے تو یہ بھی عبادت ہے چنانچہ حجۃ الاسلام آیت اللہ آقائے ابو القاسم الخوئی نے اپنی تفسیر 'البیان' میں لفظ عبادت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: کسی کے سامنے یہ سمجھتے ہوئے اور یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ وہ رب ہے خضوع کرے تو یہ بات عبادت کہلائے گی۔

نمبر 3۔ اگر کوئی شخص کسی کو خدا کے کاموں کا مبداء اور مصدر مان کر اور اس عقیدے کے ساتھ کہ خلق و رزق اور موت و حیات جیسے خدائی کام اس کے سپرد دیئے اور اس کو تفویض کر دیئے گئے ہیں اس کے سامنے عملی طور سے یا لفظی و زبانی طور پر خضوع کرے تو یہ اسکی عبادت کہلائے گی اور عبادت کی یہ تمام صورتیں شرک ہیں۔

باب سوم

عدل باری تعالیٰ کا بیان

عقیدہ توحید کے بعد شیعہ جعفریہ اثنا عشریہ کے عقائد میں سے دوسرا عقیدہ خدا کا عادل ہونا ہے۔

آیت اللہ ابو القاسم الخوئی اپنی توضیح المسائل کے شروع میں اصول دین کا مختصر بیان کرتے ہوئے عدل باری تعالیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''باری تعالیٰ عز اسمہ ہر طرح کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ اس لئے کہ ظلم و جور، جو کہ ایک مذموم فعل ہے اس کے شایان شان نہیں ہے۔ چنانچہ جس بات کا امکان نہ ہو اس کے بجالانے کا حکم نہیں دیتا۔ جس کا کرنا ضروری ہو اسے ترک نہیں کرتا۔

قران پاک میں ارشاد ہے: ''وما ربک بظلام للعبید'' حم السجدہ۔ 46

یعنی اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا

لیکن بعض لوگ اس بات کے قائل ہوگئے ہیں کہ خدانے انسان کو مجبور خلق کیا ہے۔ انسان سے جو کچھ کراتا ہے وہی کراتا ہے۔ یعنی انسان جو اچھے کام کرتا ہے وہ بھی وہی کراتا ہے، اور جو برے کام کرتا ہے وہ بھی وہی کراتا ہے۔ یہ بات اصطلاح شریعت میں جبر کہلاتی ہے اور جبر ظلم صریح ہے اور اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ بُرے کام بھی خود ہی کرائے اور پھر برے کاموں پر اسے سزا بھی دے۔ لہذا ہر مسلمان کیلئے ضروری ولازمی اور فرض ہے یہ کہ خدا کو عادل جانے۔

باب چہارم

نبوت کے بیان میں

توحید وعدل کے عقیدہ کے بعد شیعہ جعفریہ اثنا عشریہ کے عقائد میں سے تیسرا عقیدہ نبوت ورسالت پر ایمان لانا ہے۔

تمام بزرگ ترین شیعہ علماء نے نبوت کی تعریف یہ کی ہے کہ:

نبی وہ انسان ہے جو کسی بشر کے واسطے کے بغیر خدا کی طرف سے خبر دے چاہے وہ خدا کی طرف سے اس کے احکام کی تبلیغ پر مامور ہو یا نہ ہو۔ اور رسول وہ انسان ہے جو کسی بشر کے واسطے کے بغیر خدا کی طرف سے خبر دے اور وہ خدا کی طرف سے اس کے اوامر ونواہی کی تبلیغ کرنے پر مامور بھی ہو۔

فاضل مقداد علامہ حلی کی شرح باب حادی عشر کی شرح کرتے ہوئے نبی کی تعریف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

انسان کی قید سے فرشتے کو تعریف سے خارج کیا ہے۔ فرشتہ بھی مخبر عن اللہ ہے لیکن اس کو نبی نہیں کہا جاسکتا۔

عن اللہ کی قید سے ان خبر دینے والوں کو تعریف سے خارج کیا ہے جو اللہ کی جانب سے خبر دینے والے نہ ہوں۔

بلاواسطہ بشر کی قید سے امام وعالم تعریف نبوت سے خارج ہوگئے۔ اس لئے کہ امام وعالم بھی اللہ کی جانب سے خبر دینے والے ہیں لیکن بلاواسطہ بشر نہیں۔ بلکہ بواسطہ نبی اللہ کی جانب سے خبریں پہچانے والے ہیں۔

انبیاء کے بشر ہونے کا مسئلہ

خداوند تعالی نے قرآن کریم میں جتنے انبیاء ورسل بھیجے وہ سب کے سب انسان تھے بشر تھے اور مرد تھے۔ اور تمام انبیاء ورسل نے خود یہی اعلان کیا، کہ وہ بشر ہیں اور انسان ہیں۔ تمام آئمہ ھدیٰ نے یہی اعلان کیا اور تمام علمائے حقہ کا اسی پر اتفاق ہے کہ انبیاء ورسل اور تمام ہادین دین بشر تھے اور انسان تھے۔

اور اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ خدا نے سب سے پہلا نبی جو روئے زمین پر بھیجا وہ بشر تھا۔ اور خدا نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی یہ اعلان کردیا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ اور یہ آدم علیہ السلام کی خلقت کا اعلان تھا جو روئے زمین پر آنے والے سب سے پہلے نبی تھے۔ اس کے بعد سارے نبی اس پہلے نبی کی نسل سے ہوئے جو بشر تھا اور انسان تھا۔

کیونکہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو بشر ہونے کی وجہ سے سجدہ نہ کیا، ان کی اطاعت نہ کی، اور انکو نبی نہ مانا اور علی الاعلان یہ کہا کہ میں انکی ساری اولاد کو گمراہ کرونگا۔ لہذا اس نے اولاد آدم کو گمراہ کرنے کے لئے ان کے دل میں جو سب سے بڑا وسوسہ ڈالا وہ یہی تھا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ لہذا آدم علیہ السلام کی اولاد کی اکثریت شیطان کے اسی وسوسہ کی وجہ سے انبیاء پر ایمان نہ لائی اور یہ خیال ذہن میں بٹھالیا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ خداوند تعالی نے

اس حقیقت کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے کہ:

وما منع الناس ان یومنوا اذجاءھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشراً رسولاً۔ (بنی اسرائیل۔ 94)

لوگوں کی ہدایت کیلئے جب بھی ہمارا بھیجا ہوا کوئی ہادی نبی ورسول انکی طرف آیا تو اسپر ایمان لانے سے انہیں اور کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ انہوں نے یہ کہا کہ خدا نے بشر کو رسول بنا کر مبعوث کر دیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ تک جتنے بھی نبی آئے منکرین نبوت نے اُن سب کا انکار یہی کہ کر کیا کہ یہ تو ہمارے ہی جیسا بشر ہے۔ وہ سب کے سب انبیاء بشر تھے انسان تھے اور مرد تھے۔

پہلے انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں تو شیطان نے آدم کی اولاد کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا تھا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نے خود آدم کو سجدہ کرنے سے اور ان کو نبی ماننے سے اس لئے انکار کیا تھا کہ تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے اور میں آگ سے پیدا ہوا ہوں لہذا میں مٹی سے پیدا ہونے والے بشر کی اطاعت نہیں کر سکتا۔ یہی وسوسہ شیطان نے آدم کی اولاد کے دلوں میں ڈال دیا کہ مٹی سے بنا ہوا انسان اور بشر نبی نہیں ہو سکتا۔

شیطان کے اسی وسوسہ کی وجہ سے اکثر اولاد آدم خدا کے بھیجے ہوئے ہادیوں انبیاء ورسل پر ایمان نہیں لائی کہ ہم کسی بشر پر ایمان نہیں لا سکتے۔

لیکن اولاد آدم میں سے جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لے آئے انہیں شیطان نے دور جدید میں ایک دوسرے انداز سے بہکایا ہے۔ اور ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ جتنے ہادیان دین اور انبیاء ورسل آئے وہ بشر یا انسان نہیں تھے۔ اور اس نظریے کو اختیار کرنے کے لئے اس نے انبیاء ورسل پر ایمان لانے والوں میں سے بہت سوں کو فلسفہ یونان کا

گرویدہ بنا دیا۔ انبیاء پر ایمان لانے والوں میں سے پہلے اسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو خدا بنانے کے لئے اختیار کیا۔ پھر خاتم الانبیاء پر ایمان لانے والوں میں اس نے بنی عباس کے دور میں اسے اہل سنت کے بہت سے دانشوروں میں رواج دیا اور پھر بہت سے شیعیان علی میں بھی اس فلسفہ کو رائج کر دیا۔ چنانچہ ایران میں ملا صدرا اپنی کتابوں میں فلسفہ یونان کی پیروی کرتے ہوئے مخلوقات کے جو طبقات بنائے وہ اس طرح تھے کہ سب سے پہلا طبقہ محمد وآل محمد کا۔ دوسرا طبقہ دوسرے انبیاء ورسل کا تیسرا طبقہ انسانوں کا چوتھا طبقہ جنوں کا پانچواں طبقہ فرشتوں کا۔ چھٹا طبقہ حیوانوں کا۔ ساتواں طبقہ نباتات کا اور آٹھواں طبقہ جمادات کا۔

جن دنوں ایران میں ملا صدرا اور دوسرے شیعہ فلاسفہ کا فلسفہ شہرت عام حاصل کئے ہوئے تھا اور ملا صدرا کی کتابیں۔ مشاعر و عرشیہ واسفار اربعہ وغیرہ اکثر شائقین کی الماریوں کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ انہیں دنوں شیخ احمد احسائی ایران میں داخل ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ شیعہ علمائے اعلام ملا صدرا اور دوسرے شیعہ فلاسفہ کی اس فلسفہ وحدت الوجود کی بناء پر تکفیر کر رہے ہیں تو اس نے ملا صدرا کی کتاب عرشیہ اور مشاعر پر شرح لکھی اور بزرگ شیعہ علمائے اعلام کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ملا صدرا کے فلسفہ کو وحدت الوجود کا فلسفہ قرار دے کر شیعہ علماء کے فتووں کی تصدیق کی اور اپنی طرف سے ایک نیا خود ساختہ اور من گھڑت فلسفہ علل اربعہ پیش کیا جو ملا صدرا کے فلسفہ سے بھی بڑھ کر وحدت الوجود کا فلسفہ تھا چنانچہ اس نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب فوائد لکھی پھر خود ہی اسکی شرح لکھی جو شرح فوائد کے نام سے شائع ہوئی پھر زیارت جامعہ کی شرح اپنے فلسفہ علل اربعہ کے مطابق کی اور محمد وآل محمد کو ساری کائنات کی علت فاعلی قرار دیکر اپنے عقیدہ تفویض کو مستدل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن ملا صدرا کے بیان کردہ طبقات کو اس نے بھی اسی طرح رکھا

جمادات کا۔اس طرح فلسفہ یونان کی پیروی کرتے ہوئے اور نصاریٰ کی نقل اتارتے ہوئے ملا صدرا نے بھی اور شیخ احمد احسائی نے بھی قرآن کے خلاف۔انبیاء علیہم السلام کے ارشادات کے خلاف۔آئمہ ھدیٰ کے فرامین کے خلاف۔انبیاء و رسل اور سارے ھادیان دین کو انسانوں سے جدا طبقہ قرار دیدیا۔بلکہ محمد و آل محمد علیہم السلام کو انبیاء سے بھی جدا اور علیحدہ طبقہ قرار دیدیا اور علیحدہ نوع بنادیا۔

پس مسلمانوں میں انبیاء و رسل اور ھادیان دین کی بشریت کا انکار اسی فلسفہ کی ایجاد ہے۔جو ملا صدرا اور شیخ احمد احسائی نے رائج کیا۔جس میں مخلوقات کو آٹھ طبقات یا آٹھ انواع و اقسام میں قرار دیا ہے حالانکہ قرآن کی رو سے کائنات اور ساری مخلوقات کے صرف چھ طبقات ہیں۔

سب سے اول جمادات دوسرے نمبر پر نباتات تیسرے نمبر پر حیوانات چوتھے نمبر پر جن پانچویں نمبر پر فرشتے اور چھٹے نمبر پر انسان۔

اور انسان ساری مخلوقات میں سب سے افضل سب سے اشرف اور سب سے اعلیٰ ہے اور انسان سے افضل سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہے لہذا جو بھی انبیاء و رسل کو مافوق البشر کہتا ہے وہ انہیں خدا یا خدائی صفات و افعال کا مالک بنانے کے لئے کہتا ہے۔

مگر صحیح شیعی و اسلامی عقیدہ یہی ہے کہ جتنے بھی انبیاء ہوئے وہ سب کے سب انسان اور بشر تھے۔جتنے رسول و آئمہ ھدیٰ اور اولیاء اللہ و صلحاء و شہدا ہوئے وہ بھی سب کے سب انسان تھے اور بشر تھے۔تفصیل کی چونکہ گنجائش نہیں ہے لہذا مخلوقات کے ان چھ طبقات کی خلقت کا بیان اور ترتیب خلقت کا حال ہماری کتاب فلسفہ تخلیق کائنات در نظر قرآن میں اور ''نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ اور نوع نبی و امام'' میں ملاحظہ کریں۔

بہر حال انبیاء کے زمانے میں لوگوں نے انبیاء کو اس لئے نبی نہیں مانا کہ وہ بشر اور

صلی اللہ علیہ و آلہ اور نوع نبی و امام'' میں ملاحظہ کریں۔

بہر حال انبیاء کے زمانے میں لوگوں نے انبیاء کو اس لئے نبی نہیں مانا کہ وہ بشر اور انسان اور مرد تھے اور بہت سے مسلمانوں نے شیطان کے بہکائے میں آکر ھادیان دین اور انبیاء و رسل کے بشر اور انسان ہونے سے ہی انکار کردیا۔بے شک خدا کہتا رہے کہ انبیاء بشر تھے خود انبیاء کہتے رہیں کہ وہ بشر ہیں۔آئمہ ھدیٰ کہتے رہیں کہ وہ بشر ہیں۔مگر چونکہ شیطان نے انہیں گمراہ کردیا ہے۔لہذا انہوں نے شیاطین فلاسفہ یونان کی پیروی کرتے ہوئے برملا یہ کہنا شروع کردیا کہ انبیاء و رسل اور آئمہ ھدیٰ بشر اور انسان نہیں تھے غرض شیطان نے خود بھی آدم کی بشر ہونے کی بنا پر اطاعت نہیں کی تھی اور اولاد آدم کو بھی بہکا کر اس بات پر پختہ کردیا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔لہذا وہ کسی نبی پر ایمان ہی نہیں لاتے۔اور جو لوگ ایمان لے آئے انہیں یہ وسوسہ ڈال کر بہکایا کہ انبیاء بشر نہیں تھے اور نہ ہی محمد و آل محمد بشر تھے بلکہ یہ خدا کے اندر سے اس طرح نکلے جس طرح سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں۔پھر ان کے خدا کے اندر سے نکلنے کے بعد خدا نے اور کوئی کام نہیں کیا پھر جو کچھ کیا وہ انہوں نے کیا اور یہی ساری کائنات کا نظام چلاتے ہیں۔لہذا بشریت کا انکار انہیں خدا بنانے کے لئے ہے یا سارے خدائی کام انجام دینے والا قرار دینے کے لئے ہے۔پس شیطان نے بشر ہونے کی بناء پر انبیاء کا انکار کرنے والوں کو تو کفر کے گڑھے میں دھکیلا اور ھادیان دین اور انبیاء و رسل پر ایمان لاکر انہیں بشر نہ ماننے والوں کو شرک کے گڑھے میں اوندھے منہ گرایا۔

لیکن جو لوگ انبیاء و رسل کو بشر مان کر ان پر ایمان لائے تھے۔یعنی انہوں نے انبیاء کو بشر بھی مانا اور نبی بھی مانا۔ان میں سے بہت سے لوگوں کو شیطان نے ایک دوسرے انداز میں بہکایا اور ان کے ذہن میں یہ ڈال دیا کہ جیسے کہ خدا جسے چاہے نبی بنادے،چاہے ام

میں زمانہ جاہلیت کے تمام عیوب ونقائص ہوں اور چاہے وہ زمانہ جاہلیت کا چمپئن سمجھا جاتا ہو۔ چوری ڈکیتی۔ لوٹ مار۔ زنا کاری۔ بدکاری شراب خوری۔ حرام خوری۔ ہر قسم کا ظلم وجور اور زمانہ جاہلیت کا ہر قسم کا نقص وعیب اس میں ہو۔ بس اللہ کی دین ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو بھی چلتے پھرتے پکڑ کر کہ دے کہ لو میاں آج سے ہم نے تمہیں اپنا نبی ورسول بنادیا ہے۔ لہذا آج سے تم ہماری طرف سے نبوت ورسالت کا کام انجام دیا کرو۔

یہ سب شیطان کی کارستانیاں ہیں کیونکہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا کہ خدا کسی ایسے آدمی کو اپنا نبی یا رسول بنائے جس کا زمانہ جاہلیت میں یہ حال ہو اور نہ ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شان ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کے بارے میں جس کا زمانہ جاہلیت میں یہ حال ہو یہ کہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ ہوتا۔

یہ پیغمبر خاتم پر سراسر تہمت ہے۔ سراسر بہتان ہے اور نبوت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی توہین نہیں ہوسکتی۔ اس بات سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ہادیان دین اور انبیاء ورسل حکومت الٰہیہ کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ انکی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے اور انکی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہوتی ہے۔ اور دنیا کی کوئی بھی حکومت اپنی حکومت کا معمولی سے معمولی عہدہ اور منصب بھی کسی چلتے پھرتے آدمی کو ایسے ہی نہیں تھماتی کہ اگر کسی کو پٹواری بھی بناتا ہے تو وہ پہلے یہ دیکھتی ہے کہ وہ اس معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ مثلاً اس نے میٹرک پاس کیا ہوا ہے یا نہیں پھر میٹرک پاس امیدواروں میں سے یہ دیکھتی ہے کہ ان میں سے فرسٹ ڈویژن لینے والے کون کون ہیں پھر فرسٹ ڈویژن لینے والوں کا انٹرویو لے کر ان کی ذہانت کا امتحان لیتی ہے۔ پھر اسے اپنے کام کے لئے تربیت دیتی ہے۔ پھر تربیت کے بعد اس کا امتحان لیتی ہے۔ پھر جو لوگ امتحان میں پاس ہوجاتے ہیں انہیں میرٹ کے حساب سے یہ منصب عطا کرتی ہے۔ اسی طرح حکومتوں کے بڑے عہدوں کا

حال ہے۔ یعنی پی سی ایس افسروں کا عہدہ یا سی ایس ایس افسروں کا عہدہ کسی ایسے ہی چلتے پھرتے آدمی کو جو بالکل کندہ، ناتراش ہو، اور جاہل مطلق ہو نہیں تھماتی۔ پہلے اسکا ایک معیار مقرر کرتی ہے کہ اس عہدہ کے لئے بی اے۔ یا ایم اے لینا ہے۔ پھر ان سے درخواستیں لیتی ہے۔ پھر ان کا انٹرویو لیکر انکی ذہانت کا امتحان لیتی ہے پھر ان کو تربیت دیتی ہے۔ تربیت کے بعد پھر امتحان لیتی ہے پھر امتحان میں پاس ہونے والوں میں سے بھی میرٹ کے حساب سے جو ٹاپ پر ہوتے ہیں انہیں منتخب کرتی ہے۔

لیکن شیطان نے ان لوگوں میں سے، بہت سوں کو جو ہادیان دین اور انبیاء ورسل کو بشر ہونے کی حیثیت سے ہادیان دین اور نبی ورسول مان گئے تھے یہ وسوسہ ڈال کر گمراہ کردیا کہ جیسے خدا اپنے منصب اور عہدوں کو عطا کرنے میں اتنا بھی خیال نہیں کرتا جتنا کہ دنیاوی حکومتیں اپنے معمولی سے معمولی مناصب اور عہدوں کے عطا کرنے کیلئے کرتی ہیں۔ حالانکہ نبوت ورسالت نہ تو ایسی چیز ہے جو ہر چلتے پھرتے آدمی کے حوالہ کردی جائے اور نہ ہی خدا نے نبوت ورسالت بشر اور انسان کے علاوہ اور کسی کے لئے قرار دی ہے۔

خداوند تعالیٰ تو اپنی حکومت کے عہدوں اور مناصب کے عطا کرنے میں دنیاوی حکومتوں سے کہیں زیادہ خیال رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اسکی حکومت کا نمائندہ کیسا ہونا چاہیے۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ:

الله اعلم حيث يجعل رسالته

اللہ زیادہ بہتر طور پر جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کہاں رکھنی ہے اور اپنا رسول بنانا ہے۔

اگر ہم عالم ارواح اور عالم ذر میں اقرار ربوبیت میں سبقت کرنے والی ارواح کو نبی بنانے اور روز الست کے میثاق ربوبیت اور میثاق نبوت کے واقعہ کو بھی رہنے دیں۔ تو دنیائے ظاہر میں بھی ہر انسان اپنی عقل کے اعتبار سے شرف و بزرگی حاصل کرتا ہے جیسا کہ

کہا جاتا ہے کہ: بزرگی بہ عقل است نہ بسال

پس خداوند تعالیٰ نے ان ہستیوں کو جنہیں اس نے ہادیان دین بنا کر بھیجنا تھا اور نبوت ورسالت کے منصب پر سرفراز کرنا تھا۔ عقل کامل دے کر اور انسان کامل بنا کر دنیا میں بھیجا۔ اور ان کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے اپنے خاص پیغام کے ذریعہ اُن کے آنے کی دنیا والوں کو خبر دی اور وہ آنے والا ہر قسم کی رکاوٹ کو پھلانگ کر آیا۔

قرآن کریم اور خود انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی کے حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ خدا نے جس بشر کو بھی نبی بنا کر بھیجا اور جس انسان کو بھی منصب نبوت ورسالت سے سرفراز کیا اس کے انعقاد نطفہ سے لیکر پیدا ہونے تک اور پیدائش سے لیکر شیر خوارگی تک اور شیر خوارگی سے لیکر جوان ہونے تک اسکی نگرانی کی ہے۔ اسکی اپنے کام کے لئے تربیت کی ہے اسکو اس معیار کے مطابق بنایا ہے جس معیار کی اس کے نزدیک منصب نبوت ورسالت کے لئے ضرورت تھی۔ اسے ہر وقت اپنی رحمت کے سائے میں رکھا۔ اور جس وقت اُسے جتنے علم کی ضرورت ہوئی اسے اپنی وحی کے ذریعہ تعلیم دی اور اسکی ایسی تربیت کی جیسا کہ نبوت ورسالت کے منصب کے لئے تربیت دینے کا حق ہے۔

ذرا موسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی میں غور کریں اور انکی پیدائش کے پہلے سے ہی ان کے آنے کی بشارتوں کو مطالعہ کریں۔ ان کے آنے سے پہلے فرعون کی ان کوششوں کا جائزہ لیں۔ جو وہ اس مقصد کے لئے کر رہا تھا کہ موسیٰ پیدا ہی نہ ہوں۔ اور اگر پیدا ہو جائے تو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے موسیٰ ماں کے پیٹ میں ہیں فرعون کی مقرر کردہ دائی جو بچہ پیدا ہونے کی اطلاع پاسبانان فرعون کو دینے پر مامور تھی۔ اس کے دل میں موسیٰ کے پیدا ہونے کی اطلاع دینے والی دائی کو انکے پیدا ہونے کو پوشیدہ رکھنے پر آمادہ کر دیا اور اس سے یہ کہلوا دیا کہ مادر موسیٰ کے کچھ پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ ایک خون کا لوتھڑا ساقط ہوا ہے۔ کیا یہ

جھوٹ نہیں ہے۔ کیا گناہ نہیں ہے۔ یا یہ تقیہ ہے جو عین جائز ہے۔ جسے خود خدا دایہ کے دل میں ڈال کر انجام دلا رہا ہے۔ اور موسیٰ کی ماں کو جب اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں بچہ رونے نہ لگ جائے۔ جو ایک فطری بات ہے۔ اور اس سے پاسبانان فرعون کو پتہ چل جائے اور وہ اسے قتل کر دیں تو خدا نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ تم کوئی خوف نہ کرو تم اس کو دودھ پلاؤ اور پھر اس کو دریا میں ڈال دو۔ ہم اسے تمہارے پاس لوٹا دینگے اور ہم اسے رسول بنائینگے۔

موسیٰؑ کی ماں نے خدا کی وحی کے مطابق موسیٰؑ کو ایک صندوق میں رکھا اور اس صندوق کو دریائے نیل کے حوالے کر دیا مگر موسیٰؑ کی ماں کا دل حزن وملال سے پر ہو گیا۔ قریب تھا کہ آہ و فغاں کرے لیکن خدا نے اس کے دل کو تسلی دی۔

یہ صندوق کہیں بھی جا سکتا تھا۔ مگر خدا نے ایک ہوا چلائی اور اس کا رخ خود فرعون کے محل کی طرف کر دیا۔ وہ ہوا اس صندوق کو فرعون کے محل کی طرف لے کر چلی۔ آسیہ زن فرعون نے اس صندوق کو دریائے نیل سے نکلوایا۔ جب اسے کھول کر دیکھا تو ایک حسین وجمیل لڑکا تھا۔ تو خدا نے اس کے دل میں بھی موسیٰؑ کی محبت پیدا کر دی اور اس نے اس فرعون کو جو اس کو آنے سے روکنے کے لئے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر رہا تھا اپنا بیٹا بنانے پر آمادہ کر لیا دودھ پلانے کے لئے دودھ حرام کر دیا۔ "وحرمنا علیه المراضع" "موسیٰؑ" کسی کو منہ ہی نہ لگاتے تھے حالانکہ موسیٰ ایک دن کا بچہ ہیں ایک دن کے بچے کو حلال وحرام کی کیا تمیز مگر خدا کہہ رہا ہے کہ ہم نے موسیٰؑ پر تمام دائیوں کا دودھ حرام کر دیا۔ اور موسیٰؑ نے اس دودھ کو منہ نہ لگایا جس دودھ کو خدا نے موسیٰؑ کے لئے حرام کر دیا تھا۔ یہ اس بشر کی زندگی کا پہلا دن تھا جسے اس نے نبوت ورسالت کے منصب پر سرفراز کرنا تھا۔

بہر حال موسیٰؑ کی بہن کی نشان دہی پر موسیٰؑ کی ماں کو بلوایا گیا۔ موسیٰؑ اپنی ماں کو

دیکھتے ہی ماں کی چھاتیوں سے چمٹ گئے اور خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ اور اس طرح موسیٰ
دودھ پانے کے لئے مادر موسیٰ کے حوالے کر دیئے گئے اور خدا نے وحی کے ذریعہ مادر موسیٰ
سے جو وعدہ کیا تھا کہ تم خوف نہ کرو اسے دریا میں ڈال دو۔ اسے ہم تمہارے پاس لوٹا دیں گے
اور اسے ہم اپنا رسول بنانے والے ہیں ہم اسکی خود حفاظت کر رہے ہیں ہم اسکی نگرانی
کر رہے ہیں۔ ہم نے اسکی اپنے کار رسالت کے لئے تربیت کرنی ہے۔ اور ہم نے اسے
اپنی نظروں کے سامنے تربیت دے کر کار رسالت کے لائق بنانا ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے کہ: **ولتصنع علیٰ عینی**

ہم نے اے موسیٰ تمہاری والدہ کی طرف اس لئے لوٹایا تا کہ تم ہماری نظروں کے سامنے
تربیت پا کر کار رسالت انجام دینے کے قابل بن جاؤ۔

پس اس عرصہ میں خدا نے خود موسیٰ کو زیور علم سے آراستہ کیا اور جتنے علم کی انکو ضرورت تھی
وہ ان کو بذریعہ وحی عطا کیا۔ چنانچہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے کہ:

فلما بلغ اشده آتینا حکماً و علماً.

یعنی جب موسیٰ بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور خوب اچھی طرح سے طاقتور ہو گئے تو اس وقت ہم
نے ان کو علم و دانش سے آراستہ کر دیا۔

افراطی لوگ انبیا علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ اور علم کو انکی
ذات اور طینت کا جزو لاینفک کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ علم انکی ذات کے ساتھ ہے اور عین
ذات ہے جیسے نمک میں نمکینی ہوتی ہے مگر خدا یہ کہتا ہے۔ کہ میں انبیاء کو جس وقت جتنے علم کی
ضرورت ہوتی ہے۔ میں انہیں اسی وقت اتنا علم بذریعہ وحی عطا کر دیتا ہوں۔

بہر حال جب موسیٰ کو تعلیم دے کر اور تربیت کر کے اچھی طرح سے اپنے کام کا بنا لیا۔ تو
ارشاد فرمایا کہ: **"واصطنعتک لنفسی"**

اے موسیٰ اب میں نے تمہیں اپنے کام کا بنا لیا ہے

یہ صرف موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت حضرت موسیٰ کے قصہ میں عطائیگی
نبوت و رسالت کا معیار بتلایا گیا ہے کہ وہ کسی طرح سے اپنے انبیاء و رسل کو پیدائش کے
دن سے ہی اپنے کام کا بنانے کے لئے اس کی نگرانی کرتا ہے۔ اسکی حفاظت کرتا ہے۔ اسکی
تربیت کرتا ہے۔ اسکو ضروری علم و دانش سے بذریعہ وحی آراستہ کرتا ہے اور اس کو جس وقت
جتنے علم کی ضرورت ہوتی ہے اسکو خود تعلیم دیتا ہے۔ اسے کسی دنیاوی مدرسے میں پڑھنے کی
ضرورت نہیں ہوتی۔ اسکو ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم رکھتا ہے اور اسکو نبوت و رسالت
کی تمام خوبیاں اور خصوصیات عطا فرمانے کے بعد مبعوث برسالت کرتا ہے اور انہیں
معجزات کے ذریعہ اچھی طرح سے پہچنواتا ہے کہ یہ میرا رسول ہے اور معجزہ کی سند کے ذریعہ
خود لوگوں کو آگاہ کرتا ہے کہ یہ میرا رسول ہے۔

خداوند تعالیٰ نے پیغمبر گرامی اسلام کو بھی یونہی چلتے پھرتے ہوئے نبوت عطا کر کے، رسول
اور اولوالعزم پیغمبر اور افضل المرسلین اور خاتم النبیین نہیں بنایا تھا۔ بلکہ آدم علیہ السلام کے
زمین پہ بھیجنے کے ساتھ ہی اس کے اعلانات کا سلسلہ شروع کیا اور سب سے پہلے عالم ارواح
میں تمام ارواح بنی آدم سے اپنے انبیاء و رسل پر ایمان کا اقرار لیا اور پھر انبیاء و رسل میں سے
ہر ایک کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ اپنی امتوں کو اس رسول آخر الزمان کے آنے کی خبر پہنچاتے
رہیں۔

چنانچہ جب آسمانی کتابیں نازل کیں تو ان میں بھی پیغمبر گرامی اسلام کا نام نامی اور اسم
گرامی مرقوم فرمایا اور ان کے آنے کی ان کو خبر دی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

**الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی
التوراة والانجیل۔** (پ9 ع9 الاعراف)

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جسے وہ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

اگر توریت وانجیل میں آنحضرت کا نام نامی واسم گرامی لکھا ہوا نہ ہوتا تو ایک شور مچ جاتا اور یہود ونصاریٰ چیخ چیخ کر یہ کہتے کہ یہ بات تو بالکل غلط ہے نہ تو توریت میں ان کا نام لکھا ہوا ہے۔ اور نہ ہی انجیل میں انکا نام ہے۔ یہ توریت میں انکا نام لکھا ہوا ہونے ہی کی وجہ تھی کہ یہود نے ان استقبال کرنے کے لئے یثرب کو آباد کیا تھا۔ مگر جب وہ رسول جس کا نام انکی آسمانی کتاب توریت میں لکھا ہوا تھا ان کے پاس آیا تو وہ اس بات پر حسد کے مارے جل بھن کر رہ گئے کہ حسب سابق وہ نبی انکی قوم یعنی بنی اسرائیل سے کیوں نہ آیا۔ اور جو لوگ عمیق نظر سے توریت وانجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ آج کی تحریف شدہ توریت وانجیل میں بھی انکا نام بدلے ہوئے الفاظ میں لکھا ہوا ہے۔

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل کے سامنے اپنی رسالت کے اعلان کے ساتھ آنحضرتؐ کے آنے کی بشارت دی تھی جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: و اذقال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین ید من التوراۃ ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

(پ28 ع9 الصف۔6)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے یہ کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں مجھ سے پہلے جو کچھ توریت میں آیا ہے میں اسکی تصدیق کرتا ہوں۔ اور تمہیں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اسکا نام احمد ہوگا۔

بہر حال یہاں تک کے مضمون سے ثابت ہوگیا کہ خدا تعالیٰ کسی چلتے پھرتے آدمی کو چاہے وہ زمانہ جاہلیت کے تمام عیوب کا چمپئن ہی کیوں نہ ہو ویسے ہی اپنی نبوت

ورسالت نہیں تھماتا کہ لو میاں تم پچھلے کام چھوڑو اور آج سے تم ہماری نبوت ورسالت کا کام انجام دو ان کاموں تک جو تم ہمارے کہنے سے کروگے اس حد تک تم ہمارے نبی ورسول رہوگے باقی تم بشر ہونے کی حیثیت سے جو تمہارے جی میں آئے کرتے رہنا۔ اس طرح تمہاری امت بھی آزاد ہوگی۔ جو ہمارا حکم ہوگا وہ اسے معلوم ہو جائیگا اور وہ اسے مان لے گی باقی تم بشر ہونے کی حیثیت سے جو کچھ ان سے کہوگے وہ انکی مرضی ہے چاہے مانیں نہ مانیں

تو محترم قارئین خدا کا بھیجا ہو نبی ورسول ایسا نہیں ہوتا بلکہ اسکا ہر حکم خدا کا حکم ہوتا ہے لہذا انکی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ اور انکی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہوتی ہے۔ لہذا خدا کسی ایسے ویسے آدمی کو چلتے پھرتے اپنی نبوت ورسالت نہیں تھماتا۔ اور نہ ہی کوئی پیغمبر کسی ایسے آدمی کے لئے یہ کہ سکتا ہے کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ ہوتا۔ پس پیغمبر کی طرف ایسے قول کی نسبت پیغمبر کی معرفت نہ ہونے کی دلیل ہے اور خود مرتبہ نبوت ورسالت کی سخت توہین ہے۔ اور ان کے بشر ہونے کا انکار کرنا خدا وقرآن وانبیاء وپیغمبر اکرمؐ اور آئمہ ھدیٰ علیہم السلام کے ارشادات وفرمودات کا انکار کرنا ہے اور جس فلسفہ کی پیروی میں اور جس مذہب کے اتباع میں ایسا کہا جاتا ہے اس کی رو سے انکو بشر نہ ماننا اور ان کے بشر ہونے سے انکار کرنا شرک محض ہے۔

خداوند تعالیٰ جس بشر اور جس انسان کو اپنا نبی ورسول بناتا ہے اس کا ایک نمونہ حضرت موسیٰ کے قصہ میں یہاں بیان ہو چکا ہے اس موقع پر مناسب ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی کچھ مختصر حال بیان کیا جائے۔

پیغمبر اکرم صلعم کی پیدائش کا مختصر حال

مشہور ومعروف مورخ ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں لکھتے ہیں کہ:

ان رسول الله صلعم لما حملته آمنة بنت وهب كانت تقول..... الخ

یعنی جب حضرت آمنہ بنت وھب کو رسول اللہ صلعم کا حمل ہوا۔ تو وہ کہا کرتی تھیں کہ مجھے ایک عرصہ تک اپنے حاملہ ہونے کا یقین ہی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی مجھے کوئی ایسی گرانی محسوس ہوئی۔ جیسا کہ عام عورتوں کو ایام حمل میں ہوا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک بار نیم خوابی کے عالم میں۔ میں نے ایک آنے والے کو اپنے پاس آتے ہوئے دیکھا اور یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ کیا تجھ کو اپنے حاملہ ہونے کا ابتک یقین نہیں ہے۔ میں نے اس پوچھنے والے سے خواب میں ہی کہا کہ میں تو حمل کی کوئی علامت اپنے میں نہیں دیکھتی۔

''فقال انک قد حملت بسید هذه الامة ونبیها''

''اس نے کہا کہ تجھ کو اس امت کے سردار اور نبی مختار کا حمل ہے''

جناب آمنہ بنت وھب فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کو جب کچھ عرصہ گذر گیا۔ اور ولادت کے دن قریب آگئے۔ تو پھر وہی آنے والا شخص میرے پاس آیا:

''فقال قولی اعیذه بالواحد الصمد من کل حاسد''

اور اس نے مجھ سے کہا کہ تم یہ کلمات اپنے منہ سے کہو:

''اعیذ بالواحد الصمد من شر کل حاسد''

یعنی میں خدائے وحدہ لاشریک سے جو بے نیاز ہے اس کے لئے تمام حاسدوں کے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔

حضرت آمنہ بنت وھب فرماتی ہیں کہ میں اس کی ھدایت کے مطابق ان کلمات کا ورد کرتی رہی اور ان کلمات کو پڑھتی رہی۔ (طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 62)

ابن سعد نے ہی اپنی کتاب طبقات میں اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ:

''امرت آمنه وهی حامل رسول الله صلعم ان تسمیه احمد''

''یعنی اسی رویاء میں حضرت آمنہ کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ اس مولود کا نام احمد رکھنا''

(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 62)

اس روایت میں ذرا سا بھی استبعاد نہیں ہے۔ جب مادر موسیٰ کو قرآن کی سند کی رو سے یہ وحی کی جا سکتی ہے کہ تم ڈرو نہیں اسکو دودھ پلاؤ اور اسے ایسے دریا میں ڈال دو۔ ہم اسے دوبارہ تمہارے پاس لوٹا دینگے اور ہم اسے رسول بنانے والے ہیں۔ تو والدہ ختم الرسل کو اس قسم کی رویاء میں یہ بشارت دینا کہ تمہیں اس امت کے سردار اور نبی مختار کا حمل ہے اور تم اس مولود کا نام احمد رکھنا کچھ بھی استبعاد نہیں ہے جب کہ خدا نے آپکا نام پچھلی آسمانی کتابوں توریت وانجیل میں بھی لکھ کر بھیجا اور حضرت عیسیٰ سے بنی اسرائیل کے سامنے علی الاعلان اس بشارت کو بیان کرایا کہ: مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد۔ یعنی میں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اسکا نام احمد ہوگا۔

حضرت عبدالمطلب کو آنحضرت کی ولادت کی اطلاع

ابن سعد نے اپنی کتاب ''طبقات میں آنحضرت صلعم کی ولادت کی خبر جب جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ بنت وھب نے آدمی بھیج کر حضرت عبدالمطلب کو اطلاع دی۔ وہ اس وقت اپنے بیٹوں اور قوم کے چند لوگوں کے ساتھ کعبہ کے مقام حجر میں تشریف فرما تھے۔ اس آدمی نے حاضر ہو کر بشارت دی کہ آمنہ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے یہ سنکر آپ بہت مسرور ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کے تمام ہمراہی بھی کھڑے ہوگئے اور جب گھر میں آمنہ کے پاس پہنچے:

''فاخبرته لکل مارات وماقیل لها وامرت به''

پس حضرت آمنہ نے وہ تمام حالات جو رویاء میں دیکھے تے یا آپ کی پیدائش کے بعد ملاحظہ کئے تھے اور جو کچھ خدا کی طرف سے آپ سے کہا گیا تھا اور جس بات کا آپ کو حکم دیا

گیا تھا وہ سب کا سب حضرت عبدالمطلب سے بیان کر دیا۔

"فاخذہ عبدالمطلب فدخله الکعبه وقام فندھا یدعوا الله ویشکر ما اعطاہ"

"حضرت عبدالمطلب نے اس مولود مسعود کو گود میں لے لیا اور خانہ کعبہ کے اندر آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور اللہ سے اس مولود مسعود کی سلامتی کی دعا مانگی اور اس نعمت کے عطا فرمائے جانے پر خدا کا شکر ادا کیا"۔ (طبقات ابن سعد)

بچپن سے ہی ایک عظیم فرشتے کا آپکے ساتھ رہنا

امیر المومنین حضرت علی ابن طالبؑ اپنے ایک معروف و مشہور خطبہ، قاصعہ میں پیغمبر گرامی اسلام کے فضائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"لقد قرن الله به صلی الله علیه و آله من لدن ان کان فطیماً اعظم ملک من ملائکته یسلک به طریق المکارم ومحاسن الاخلاق العالم لیله ونهارہ"۔ (نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ نمبر 190 صفحہ 509)

یعنی اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے کر چلتا تھا۔

امیر المومنین کے اس خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ خدا ان ہستیوں کو جنہیں اس نے نبوت و رسالت کے منصب عظیم پر فائز کرنا ہوتا ہے۔ انکی بچپن سے ہی نگہداشت کرتا ہے اور خود انکی تربیت کر کے اس معیار پر لاتا ہے جس سے وہ نبوت و رسالت کے بار عظیم کو اٹھانے کے قابل ہو سکیں جیسا کہ حضرت موسیٰ کے بارے میں فرمایا تھا کہ:۔

"واصطنعتک لنفسی"

"اے موسیٰ میں نے تمہیں (تربیت دیکر) اپنے کام کا بنا لیا ہے"

پس خدا نے اپنے حبیب کو کار رسالت انجام دینے کے لئے بچپن سے ہی تربیت دینا شروع کر دی تھی اور جبرئیل کی درمیان میں حیثیت ایسی ہی تھی جیسا کہ وحی لانے میں تھی۔

حضرت عبدالمطلب کا طرز عمل

سیرت ابن ہشام میں آنحضرت صلعم کے حالات کے بیان میں اس طرح سے لکھا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا عبدالمطلب بن ہاشم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اور عبدالمطلب کے لئے کعبۃ اللہ کے زیر سایہ فرش بچھایا جاتا تھا اور ان کے بیٹے اس فرش کے اطراف بیٹھے رہتے یہاں تک کہ وہ خود اس کی طرف آتے بیٹوں میں سے کوئی بھی والد کی عظمت کے لحاظ سے فرش پر نہ بیٹھتا تھا۔

راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں کہ وہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ آپ جب تشریف لاتے فرش پر بیٹھ جاتے"۔ آپ کو وہاں سے ہٹانے کے لئے چچا پکڑ لیتے تو عبدالمطلب کہتے۔ "میرے بچے کو چھوڑ دو خدا کی قسم انکی تو بڑی شان ہے" آپ کو ساتھ فرش پر بٹھا لیتے اور آپ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے رہتے آپکو جو کام دیکھتے آپکو انہیں خوشی ہوتی"۔ (اردو ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 189)

یہ بات انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ آنحضرت صلعم کے چچا عرب کے عام دستور کے مطابق حضور کو مسند پر بیٹھنے سے روکتے تھے تو حضرت عبدالمطلب انہیں یہ کہہ کر منع نہیں کرتے تھے کہ یہ میرے بیٹے عبداللہ کا یتیم ہے۔ مجھے اس کی خاطر عزیز ہے۔ اس کو روکنے سے اس کی یتیم دل آزاری ہوگی مجھے انکی دل آزاری گوارہ نہیں ہے بلکہ فرماتے ہیں:۔

"دعوا ابنی فوالله ان له شانا"

عربی سیرہ ابن ہشام مطبوعہ مصر صفحہ 57

''میرے بچے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اسکی تو بڑی شان ہے''

ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ کہے یا یہ سمجھے کہ اس واقعہ سے حضرت عبدالمطلب کی ان کے لئے انتہائی شفقت ومحبت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بات بھی صحیح ہے مگر اس کا اصل سبب وہ معرفت ہے جو حضرت عبدالمطلب آنحضرت صلعم کی اس خاص شان کے بارے میں رکھتے تھے اور حقیقت میں یہ واقعہ قدرت کی طرف سے مراتب رسالت کی اس خاص شان کے بارے میں یہ معرفت یا تو اس بنا پر تھی کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعا کے الفاظ کہ ''ربنا وابعث فیھم رسولا منھم'' نسلاً بعد نسل ذہنوں میں محفوظ چلے آرہے تھے اور حضرت عبدالمطلب اس بات کی معرفت رکھتے تھے کہ حضرت ابراھیم کی دعا کے نتیجے میں جس رسول نے آنا ہے وہ یہی ہیں۔

اس معرفت کو مزید تقویت اس بات سے ملی کہ حضرت آمنہ کو رویا میں اس آنے والے نے یہ بتلایا تھا کہ:

''انک قد حملت بسیدھذہ الامۃ ونبیھا''

''بیشک تجھے اس امت کے سید وسردار اور نبی مختار کا حمل ہے''

اور اسی رویا میں حضرت آمنہ کو یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ تم اس مولود کا نام احمد رکھنا۔

(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 62)

اور جب حضرت عبدالمطلب آنحضرت کی ولادت کی خبر ملنے پر حضرت آمنہ کے پاس تشریف لائے تو ابن سعد کے بیان کے مطابق

''فاخبرتہ لکل مارات وقیل لھا وامرت بہ''۔ (طبقات ابن سعد)

پس حضرت آمنہ نے وہ تمام حالات جو آپ نے رویا میں دیکھے تھے اور آپ کی پیدائش کے بعد ملاحظہ کئے تھے اور جو کچھ خدا کی جانب سے آپ کہا گیا تھا اور جس بات کا آپکو حکم دیا گیا تھا وہ سب کا سب حضرت عبدالمطلب سے بیان کردیا۔ اور آپکا یہ نام جس کے رکھنے کا خدا کی طرف حضرت آمنہ کو حکم ملا تھا، یہ توریت میں بھی لکھا ہوا تھا، انجیل میں بھی لکھا ہوا تھا، اور حضرت عیسےٰ نے بالفاظ واضح یہ بشارت دی تھی کہ میں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اسکا نام احمد ہوگا اور یہ سب باتیں حضرت عبدالمطلب کے علم میں تھیں پس اس سے ثابت ہوگیا کہ حضرت عبدالمطلب آنحضرت کی رسالت کی کمال معرفت رکھتے ہوئے اور انکی تعظیم وتکریم کرتے ہوئے یہ فرماتے تھے کہ:

''دعوا ابنی فواللہ ان لہ شاناً''۔ (عربی سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر صفحہ 57)

''میرے بیٹے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اسکی تو بڑی شان ہے''۔

(اردو ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 189)

پس اس سارے بیان سے یہ ثابت ہے کہ آپکی والدہ کو اور آپکے دادا کو آپکی پیدائش کے وقت سے ہی یہ علم تھا کہ آپ نبی ہیں۔

حضرت ابوطالب کی معرفت رسالت

واقعہ فیل کے آٹھ برس بعد حضرت عبدالمطلب نے انتقال فرمایا اور انہوں نے جناب رسالتمآب صلعم کے بارے میں حضرت ابوطالب کو وصیت فرمائی طبری لکھتے ہیں کہ:

''فکان ابا طالب ھو الذی یلی امر رسول اللہ بعد جدہ وکان یکون معہ''

(طبری جلد اول ص 1123 طبع جرمن)

پس آنحضرت صلعم کی ولایت وسرپرستی کا منصب حضرت ابی طالب کو تفویض ہوا اور پھر آنحضرت صلعم ہمیشہ ابی طالب کے ہمراہ رہے۔

حضرت ابی طالب اپنے والد بزرگوار حضرت عبدالمطلب کے وصی تھے اور قائم مقام۔ اس خصوصیت کی بنا پر آنحضرت صلعم کی کفالت وحفاظت میں انکے بھی وہی طرز عمل ثابت

ہوئے جو عبدالمطلب کے مانے جاتے ہیں۔ اور طبقات ابن سعد کا بیان کردہ واقعہ اس بات کا شاہد ہے جو اس طرح ہے کہ: ”کان ابو طالب تلقی له وسادة یقعد علیها فجاء النبی صلی الله علیه وسلم وهو غلام فقعد علیها فقال ابی طالب وآله ربیع ان ابن اخی لحس بنعیم“۔ (طبقات ابن سعد صفحہ 76)

جناب ابو طالب کے بیٹھنے کے لئے مسند بچھائی جاتی تھی۔ ایک دفعہ جناب رسالتماب صلعم جو اس وقت کم سن تھے تشریف لائے اور اپنے چچا کے مقام پر بیٹھ گئے سامنے میں ابی طالب آ گئے۔ اور آنحضرت کو اپنی جگہ بیٹھا ہوا دیکھ کر کہنے لگے کہ ربیعہ کے خدا کی قسم میرے بھتیجے کے لئے ایک نعمت خاص کی نسبت ہے۔ صاف پتہ دیتا ہے کہ ابو طالب اس بات کی معرفت رکھتے تھے کہ آنحضرت کو ایک خاص نعمت عطا ہوئی ہے۔ اور نعمت سے مراد یقینی طور پر یہاں نعمت نبوت ورسالت ہے۔ جیسا کہ سیرت ابن ہشام میں: ”اما بنعمة ربک فحدث“ کے معنی میں لکھا ہے اور سورہ فاتحہ کی آیت: ”صراط الذین انعمت علیهم“ کی تفسیر میں بیان کیا جاتا ہے۔

پس آثار وقرائن اور واقعات وشواہد پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حضرت ابی طالب آنحضرت کی نبوت کی آپکی کم سنی سے ہی معرفت رکھتے تھے اور یہ معرفت انہیں کئی طرح سے حاصل تھی۔

اول:۔ یہ کہ دعائے ابراہیمی کے یہ الفاظ پشت در پشت یاد چلے آ رہے تھے کہ حضرت ابراہیم نے بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی تھی کہ:

”ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک“

اے ہمارے رب ہم دونوں (مجھے اور اسمٰعیل) کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع وفرمانبردار رکھ۔ اور نسل ابراہیم واسمٰعیل کے آخری

چشم وچراغ جن میں دین وملت ابراہیم پر عمل جاری تھا حضرت عبدالمطلب، حضرت عبداللہ اور حضرت ابو طالب ہی تھے اور انہیں اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد تھی کہ:

”ربنا وابعث فیهم رسولا منهم“

یعنی اے ہمارے رب ہماری اولاد میں سے ان اطاعت گذار اور فرمانبردار ہستیوں میں انہیں میں سے ایک کو منصب رسالت پر مبعوث فرما:

پس حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابو طالب اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم کی اس دعا کے طفیل یہ معرفت رکھتے تھے کہ حضرت ابراہیم کی مطیع وفرمانبردار اولاد میں سے جس رسول نے مبعوث برسالت ہونا ہے وہ آنحضرتؐ کی ذات گرامی ہی ہے۔

دوسرے:۔ آنحضرت کی ولادت سے پہلے حضرت آمنہ کو رویاء میں جو کچھ خدا نے اس آنے والے فرشتے کے ذریعہ بتلایا تھا کہ تجھے اس امت کے سید وسردار اور نبی مختار کا حمل ہے اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ اس کا نام احمد رکھنا۔ تو حضرت آمنہ نے وہ سب کچھ حضرت عبدالمطلب کو بتا دیا تھا اور جب حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات سے پہلے آنحضرت کو ابو طالب کی سرپرستی میں دیا تو اس وقت حضرت عبدالمطلب نے وہ سب کچھ جو حضرت آمنہ نے انہیں بتلایا تھا اس سے حضرت ابو طالب کو آگاہ کر دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب اور آپکے چچا حضرت ابو طالب کو آپکی پیدائش کے وقت سے ہی یہ علم تھا کہ آپ نبی ہیں۔

ہمارا مقصد اس کتاب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی سیرت اور حالات زندگی لکھنا نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے پیغمبر اکرم صلعم کی سیرت طیبہ اور زندگی کے حالات اپنی غیر مطبوعہ قلمی کتاب ”عظمت ناموس رسالت“ میں شرح وبسط کے ساتھ لکھ دیئے ہیں اور اسی کے

چند اقتباسات یہاں پر اس لئے نقل کئے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ خدا اپنا منصب رسالت و نبوت ویسے ہی کسی چلتے پھرتے آدمی کو نہیں تھماتا بلکہ اسکی پیدائش کے دن سے ہی اسکی نگرانی ونگہداشت کرتا ہے۔ اسے اپنے کام کا بنانے کے لئے اسکو تعلیم وتربیت اور اخلاق کریمہ سے آراستہ کرتا ہے اور جس کو خدا خود تعلیم دے جسکی خود خدا تربیت کرے اور اخلاق کریمہ سے اسے آراستہ کرے وہی اس کے کام کا ہوگا۔ اور اس حقیقت کو خداوند تعالیٰ نے سورۃ والضحیٰ میں بڑی فصاحت وبلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس سورہ کی شان نزول میں یہ لکھا ہے کہ غار حرا میں سب سے پہلے سورہ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئی تھیں۔ اس کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہوگیا اور پھر تین سال تک کوئی اور قرانی وحی نازل نہ ہوئی اور اس عرصہ میں حضرت اسرافیل آپ کے ساتھ رہے اور منصب نبوت ورسالت کی ادائیگی کے لئے آپ کو تیار کرتے رہے اور آنحضرت نے اس سب سے پہلی وحی کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا سوائے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے لہذا جب تین سال تک کوئی قرآنی وحی نازل نہ ہوئی۔ اور پیغمبر نے پھر کسی اور قرآنی وحی کا تین سال تک حضرت خدیجہ سے کوئی ذکر نہ کیا۔ لہذا حضرت خدیجہ کو ہی یہ خیال گزرا ہوگا نہ کہ کسی اور کو کہ کہیں خدا نے آنحضرت کو چھوڑ ہی نہ دیا ہو پس انہوں نے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کے سامنے کیا جس سے آنحضرت کچھ افسردہ خاطر ہوئے تو خدا نے سورہ والضحیٰ نازل فرمائی۔ جس میں خدا نے فرمایا کہ "قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب وہ چھا جائے۔ نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ ہی تجھ سے بیزار ہوا اور تیرے لئے بعد کی حالت پہلی حالت سے بہتر ہوگی اور عنقریب خدا تجھ کو اتنا (علم) عطا کریگا کہ تو راضی ہو جایگا۔" ذرا غور تو کرو۔ کیا ہم نے تجھے یتیم نہیں پایا تو ہم نے تجھے پناہ دی"

یہ آیات پکار پکار کر بتا رہی ہیں کہ خدا نے پیدائش کے وقت سے ہی آنحضرت کو اپنی نگرانی

ونگہداشت اور تعلیم وتربیت میں لے لیا تھا کیونکہ آپ پیدا ہی یتیم ہوئے تھے۔

"الم یجدک یتیما فآوی"

اور یہ پناہ بالاتفاق حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب کی آغوش میں دی تھی جیسے خدا نے یہ کہا ہے کہ ہم نے تجھے پناہ دی۔ لہذا بنی امیہ کے گھڑے ہوئے افسانوں کو نہ دیکھیں بلکہ خدا جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں غور کریں۔

اب وہ ہستی جو پیدائش کے دن سے خدا کی نگرانی ونگہداشت میں ہو۔ جسے خدا بچپن سے خود تعلیم وتربیت کر کے اپنے کام کا بنا رہا ہو۔ اور قیامت تک بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے وہ اسے عطا کر رہا ہو۔ ایسی ہستی کے بشر ہونے میں کیا خرابی ہے؟ اور منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے لئے اس میں کونسا نقص اور خامی ہے کہ فلسفہ یونان کی پیروی کرنے والے مذاہب نے اسے بشر اور بنی نوع انسان سے جداگانہ نوع بنا دیا۔ اور انکے مبلغین ہمارے منبروں پر اچھل اچھل کر بیان کرتے ہیں کہ انبیاء بشر نہیں ہوتے۔ پیغمبر خاتم اور آئمہ اطہار بشر نہیں تھے۔ وہ پیدا نہیں ہوتے بلکہ نازل ہوتے ہیں اور لباس بدل بدل کر ہر نوع کی ہدایت کے لئے ہر نوع کی صورت میں اس نوع کے پاس جاتے ہیں۔

ذرا غور کیجئے ایران کا ایک بچہ محمد حسین طباطبائی جسے ایک عالم باپ اور ایک عالمہ ماں نے تربیت کیا ہے اس نے ساری دنیا کو پانچ سال کی عمر میں حیرت زدہ کر دیا ہے تو جسے خود خدا نے بچپن سے تربیت کیا ہو کیا اس کے علم واخلاق کے بارے میں کوئی تصور ہوسکتا ہے اس بات کی گواہی سب سے بہتر طور پر خدا ہی دے سکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ۔

"انک لعلی خلق عظیم"

اے میرے حبیب بیشک تم میری تعلیم اور میری تربیت کے طفیل خلق عظیم پر فائز ہوگئے ہو۔

لیکن شیطان نے بنی نوع انسان اور اولاد آدمؑ سے پورا پورا انتقام لیا اور اپنا غصہ اچھی طرح سے نکالا۔

چونکہ ابلیس نے آدم کو اسی وجہ سے نبی نہیں مانا تھا کہ وہ بشر تھے اور اس نے واضح الفاظ میں یہ کہا تھا کہ میں انکی اطاعت اس لئے نہیں کرتا کہ وہ بشر ہے اور تو نے اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے، یہی وسوسہ اس نے آدم کی اولاد کے دلوں میں ڈالا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا چنانچہ شیطان کے بہکانے میں آکر آدمؑ کی اولاد کی اکثریت نے ہادیان دین اور انبیاء ورسل کو انکی لئے نبی نہیں مانا کہ وہ بشر تھے اور جو انبیاء ورسل اور ھادیان دین پر ایمان لے آئے ان میں سے بہت سے لوگوں کو خدا کا جبرئیل کا، قرآن کا انبیاء ورسل کا اور آئمہ ھدیٰ کا سچا ماننا تسلیم نہ کرنے دیا اور انہوں نے خدا کے جبرئیل، قرآن کے انبیاء ورسل کے اور آئمہ ھدیٰ کے واضح الفاظ میں کہنے کے باوجود یہ کہا کہ وہ بشر نہیں تھے اور وہ پیدا نہیں ہوتے بلکہ نازل ہوتے ہیں اور شکل بدل بدل کر آتے رہتے ہیں۔

غرض شیطان نے نہ تو خود مانا اور نہ ہی آدمؑ کی اولاد کی اکثریت کو یہ تسلیم کرنے دیا کہ بشر نبی ہوسکتا ہے چاہے جس انداز میں بھی صحیح۔

اور جنہوں نے یہ مان لیا کہ تمام ھادیان دین اور انبیاء ورسل بشر تھے شیطان نے ان میں سے بہت سے لوگوں سے نبوت کی ایسی توہین کرائی کہ اس سے زیادہ نبوت کی توہین متصور نہیں ہے کیونکہ انہوں نے یہ عقیدہ بنالیا جسے کہ خدا ویسے ہی کسی چلتے پھرتے آدمی کو چاہے وہ زمانہ نبوت ورسالت تھما سکتا ہے اور بہت ہی کم لوگ ایسے بچے جنہوں نے ہادیان دین اور انبیاء ورسل کو بشر بھی مانا اور مذکورہ عیوب سے پاک ومنزہ بھی جانا، اور مکتب الٰہیہ کا تربیت یافتہ خلق عظیم کا مالک مانا، اور شیطان کے اس فریب میں نہیں آئے کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا اور جس کا اس نے خود ہی **الا عبادک منھم المخلصین** کہہ کر استثناء کردیا تھا۔

انبیاء کی تعداد اور علم کا بیان

خداوند تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انسانوں میں سے ہی ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کو مبعوث فرمایا ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اور ان تین سو تیرہ میں سے پانچ اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ جن میں سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں دوسرے حضرت ابراھیم علیہ السلام ہیں تیسرے حضرت موسیٰؑ چھوتھے حضرت عیسیٰؑ اور پانچویں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان سب انبیاء ورسل کو خداوند تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے علم واحکام وحی کے ذریعہ پہنچانے اور جس وقت جتنے علم اور جس قسم کے احکام کی ضرورت تھی اس وقت کے نبی کو وہ علم واحکام اپنی طرف سے عطا فرمائے کسی بھی نبی کا علم نہ تو ذاتی تھا نہ عین ذات تھا۔ نہ اس طرح جسے نمک میں نمکینی اور تیل میں چکنائی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی وہ عالم الغیب تھے۔ عالم الغیب فقط صرف خدا کی ذات ہے اور باقی سب ہادیان دین اور انبیاء ورسل کو حسب ضرورت خدا کا عطا کردہ علم ہوتا ہے۔ لیکن بعض فلسفی مذاہب جنکے نزدیک خدا کوئی کام نہیں کرتا بس اس کے اندر ایک چیز جو صادر ہوئی ہے وہی سب کچھ کرتی ہے لہذا وہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی علم کے انبیاء کو ملنے کے قائل نہیں ہیں اور وحی اور جبرئیل انکے نزدیک محمد مصطفےٰ کے خیال کا نام ہے اور قرآن عقل محمد صلعم سے ہے۔ پس وہ انبیاء کو ہی عالم الغیب سمجھتے ہیں حالانکہ عالم الغیب ہونا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے لیکن باقی سب انبیاء کے پاس اتنا علم ہوتا ہے جتنا خدا نے انہیں تعلیم کیا اور جتنے علم کو اس نے ہر زمانے میں ان کے لئے ضروری سمجھا اس لئے سب انبیا کا علم بھی یکساں نہیں تھا۔ مگر انبیاء علیہم السلام کسی مسئلہ میں عاجز نہیں ہوتے تھے اور ہر مسئلہ کے جواب کے لئے خدا نے انہیں کافی ووافی علم عطا فرمایا ہوا تھا اور ہر نبی اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے علم وکمال میں افضل ہوتا تھا۔ تاکہ کسی کو اپنی بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے اس نبی کے حکم کے ماننے میں کسی قسم کا

عذر نہ ہو سکے۔

فلسفی مذاہب جیسے شیخیہ رکنیہ کرمان اور شیخیہ احقاقیہ کویت اور مفوضہ اور دوسرے شیعہ فلاسفہ چونکہ خدا کے لئے اس میں سے ایک چیز کے صادر ہونے کے سوا اور کوئی کام تسلیم نہیں کرتے۔ لہذا وہ عالم الغیب بھی محمد و آل محمدؐ کو ہی قرار دیتے ہیں اور اسے وہ مجالس میں فضیلت کے عنوان سے بیان کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام انکے بہکائے میں آکر اور نادانی سے ایسا کہتے ہیں اور بلا تحقیق کے گمراہ ہوئے چلے جاتے ہیں۔

خصوصیات وصفات نبوت

پہلی صفت معجزہ ۔ نبی چونکہ حکومت الہیہ کا نمائندہ ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کے پاس خدا کی طرف سے کوئی سند اور خدائی نمائندہ ہونے کی اس کے پاس خدا کی کوئی نشانی ہو یعنی اگر م خدا تعالی کوئی پیغمبر بھیجے اور اس کو اپنی کوئی نشانی دیکر نہ بھیجے۔ اور بغیر کسی دلیل و ثبوت کے لوگوں کو اس نبی پر ایمان نہ لانے پر ملزم گروانے تو یہ بات اسکی عدالت اور حکمت کے خلاف ہوگی۔ لہذا یہ بات اور یہ مسئلہ فروعات عدل الہی میں سے ہے کہ اس کا بھیجا ہوا ھادی نبی ورسول اسکی طرف سے کوئی نشانی یعنی معجزہ لیکر آئے کہ جس سے اس نمائندہ الہی اور فرستادہ خدا کی حقانیت ثابت ہو جائے اور لوگوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے نشانی طلب کریں۔ چنانچہ اس وقت جبکہ حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے دعوائے نبوت کیا تو فرعون نے یہ اقتضائے فطرت کیا:

"فات بآیۃ ان کنت من الصادقین"

یعنی اگر تم سچے ہو تو خدا کی کوئی نشانی پیش کرو۔

لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً زمین پر اپنا عصا پھینکا اور وہ ظاہر بظاہر اژدھا بن گیا

بہر حال معجزہ مدعی نبوت کے دعوے کے سچا ہونے کے لئے ایک دلیل قطعی اور ایک پکا ثبوت ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ معجزہ یا نشانہ الہی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو خارق عادت ہو اور مافوق قوت بشری ہو۔ اور کوئی بھی انسان اس کے مثل لانے پر قادر نہ ہو۔ پس اگر کوئی خدا کی طرف سے نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرے۔ تو لوگ یہ حق رکھتے ہیں کہ ہم نے اس قادر مطلق کو دیکھا نہیں ہے۔ اور ہم نے اسے اسکے آثار قدرت سے پہچانا ہے ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ تعلیمات اور احکام جو تم بیان کر رہے ہو یہ بشری فکر کا نتیجہ ہے اور تم نے خود اپنی عقل و دانش کے ذریعہ ان تک رسائی حاصل کی ہے۔ یا تم نے یہ باتیں کسی دوسرے آدمی سے سیکھی ہیں۔ یا تمہارا یہ علم مافوق قدرت بشری ہے اور یہ باتیں حضرت حق تعالیٰ کے جلال و کبریائی کے آثار سے ہیں لہذا خدا کو چاہیے کہ وہ اپنی قدرت کی کوئی نشانی تمہیں عطا فرمائے تاکہ یہ بات سب پر روشن ہو جائے کہ جو علوم و معارف اور احکام و قوانین تم لوگوں سے بیان کر رہے ہو وہ خدا تعالی کی طرف سے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معجزہ پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ خدا کا کام ہوتا ہے۔ جو وہ اپنے نمائندہ کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ اسکی حقانیت سارے جہان پر آشکار ہو جائے۔ چنانچہ خدا نے قرآن کریم میں بہت سے آیات میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک حضرت موسیٰ کا واقعہ ہے۔

خدا تعالی حضرت موسیٰ کے واقعہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ موسیٰ نے عصا پھینکا تو وہ ایک اژدھا بن گیا۔ موسیٰ ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ایسا ڈرے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا جیسا کہ سورہ مبارکہ نمل میں ذکر ہوا ہے۔

"والق عصاک فلما راھا تھتز کانھا جان ولی مدبر ولم یعقب یا موسی اقبل ولا تخف"

اور یہ بات صاف اور واضح ہے کہ اگر موسیٰ ؑ نے عصا کو اژدھا بنایا ہوتا تو وہ ڈر کر ہرگز نہ بھاگتے۔ زیادہ واضح الفاظ میں خدا نے اس قصہ کو اس طرز سے اس لئے بیان فرمایا ہے تاکہ وہ ہمیں سمجھائے کہ عصا کو سانپ بنانا موسیٰ کا کام نہیں تھا۔ کیونکہ اگر انہوں نے خود یہ کام کیا ہوتا تو کیوں ڈرتے کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

لیکن آج وہ فلسفی مذاہب مثل شیخیہ رکنیہ کرمان اور شیخیہ احقاقیہ کویت جو انبیاء ورسل کو بشر ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ انہیں جداگانہ نوع قرار دیکر معجزات کو انکا عادی فعل قرار دیتے ہیں، جیسا کہ عام لوگوں کا کھانا پینا بیٹھنا، اٹھنا، چلنا پھرنا اور دوسرے عادی کام۔

لہذا آج مفوضہ وشیخیہ رکنیہ کرمان اور شیخیہ احقاقیہ کویت اور دوسرے فلسفی مذاہب خود کو شیعہ اثناعشری کہتے ہوئے مجالس عزا میں منبروں پر اچھل اچھل کر یہ بیان کر رہے ہیں کہ معجزہ نبی ورسول کا اپنا فعل ہوتا ہے اور نبی یوں کر دیتا ہے اور نبی یوں کر دیتا ہے۔ جس طرح موسیٰ نے خشک لکڑی کو سانپ بنا دیا۔

بہر حال نبی کی خصوصیات میں سے سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معجزہ رکھتا ہو۔ یعنی جو شخص دعوائے نبوت کے ساتھ معجزہ دکھائے وہ نبی ہے۔

اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک ہستی نے جن کا نام محمد بن عبداللہ تھا دعوے نبوت کیا تھا اور انہوں نے بہت سے معجزات دکھائے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک معجزہ قرآن کریم ہے۔

ہر نبی اور ہر پیغمبر اپنے زمانہ کے مطابق معجزہ لیکر آیا لیکن وہ سب کے سب وقت کے ساتھ ختم ہو گئے اب نہ عصا سے بنا ہوا اژدھا موجود ہے نہ ید بیضاء ہے۔

مگر چونکہ پیغمبر خاتم کی نبوت ورسالت قیامت تک کے لئے ہے لہذا قرآن کریم وہ معجزہ خالدہ ہے جو قیامت تک اپنی معجزانہ شان کے ساتھ باقی رہنے والا ہے۔ اور تمام جن وانس کو

اس کا مثل لانے کا چیلنج بھی قیامت تک کے لئے باقی ہے۔ اور کوئی بھی مسلمان اسے خود آنحضرت کا اپنا کلام نہیں کہہ سکتا کیونکہ "جو شخص قرآن کریم یعنی کلام خدا کو آنحضرت صلعم کا اپنا کلام کہے گا۔ وہ بلاشبہ دائرہ ایمان واسلام سے خارج ہو جائیگا۔ اور اسی وجہ سے شیعہ مراجع عظام نے شیخ احمد احسائی کو اور انکی پیروی کرنے والوں کو کافر اور مذہب شیخیہ کہا ہے چونکہ شیخ احمد احسائی کے نزدیک جبرئیل وہ خیال ہے جو محمد صلعم کے دماغ سے دل کی طرف نازل ہوا ہے اور وحی محمد صلعم کو بھولی ہوئی بات کا یاد آنا ہے اور قرآن عقل محمد صلعم کا نام ہے ثبوت کے لئے ہماری کتابوں "شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں" اور نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اور نوع نبی وامام اور العقائد الحقہ اور ولایت قرآن کی نظر میں کا مطالعہ کریں۔

بہر حال شیعوں میں اثناعشری کہلانے والے وہ فلسفی مذاہب، مثل شیخیہ رکنیہ کرمان اور مثل شیخیہ احقاقیہ کویت جو فلسفہ یونان کی پیروی میں گمراہ ہو گئے ہیں۔ چونکہ انکے نزدیک خدا کا اور کوئی فعل ہے ہی نہیں بلکہ وہ تمام افعال کو ان ذوات مقدسہ کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں اور انکا نوعی فعل گردانتے ہیں اور لوگوں کو فضیلات کا پھانسہ دیکر گمراہ کرتے ہیں لہذا اسی معجزہ کے لئے انہوں نے ولایت تکوینی کی اصطلاح ایجاد کی ہے اور ولایت تکوینی سے انکی مراد قطعی طور پر یہی ہے کہ تمام تکوینی امور جنہیں خدا سے متعلق سمجھا جاتا ہے وہ سب یہی انجام دیتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب ولایت قرآن کی نظر میں اور "تبصرۃ المعصوم علیٰ اصلاح الرسوم وایضاح الموھوم"۔

دوسری صفت عصمت۔ تمام ہادیان دین اور انبیاء ورسل کی دوسری سب سے اہم صفت ان کا معصوم ہونا ہے۔ یعنی خدا کی ان پر کچھ ایسی مہربانی ہوتی ہے۔ جسکی وجہ سے وہ خدا کے حکم کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیتے۔ اور بچپن سے لیکر آخری عمر تک کوئی گناہ

چھوٹا ہو یا بڑا ان سے سرزد نہیں ہوتا، یہاں تک کہ بھول کر بھی وہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔

کیونکہ اگر کسی وقت بھی نبی سے خدا کے حکم اور اسکی مرضی کے خلاف کوئی بات ہوئی ہوگی تو لوگوں کو اسپر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا کہ کل تو تم خود یہ کام کرتے تھے آج ہمیں کس منہ سے منع کرتے ہو۔ لہذا اسکو نبی بنانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور لوگ اسپر ہرگز اعتماد نہ کرینگے۔

بعض فلسفی مذاہب والے، مثل شیخیہ کے، عصمت کو ایک نوعی صفت قرار دیتے ہیں۔ اور اسے انکی نوع کے اعتبار سے انکی نوع کا جزو لاینفک قرار دیتے ہیں جو ان کی ذات سے ہرگز جدا نہیں ہوسکتی جیسے کہ نمک سے نمکینی اور تیل سے چکنائی جدا نہیں ہوسکتی اور جیسا کہ شیخی مبلغین علی حسنین شیفتہ اور تصدق حسین نے اپنی کتاب تائید حق میں عصمت کو ان کا جزو لاینفک قرار دیا ہے۔

لیکن عصمت انبیاء و رسل اور ہادیان دین کا یہ مطلب نہیں ہے۔ انکی عصمت یہ نہیں کہ برگزیدہ خدا نمائندہ الٰہی ھادیان دین انبیاء و رسل گناہ اور معصیت پر قادر ہی نہیں ہوتے۔ یا وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے۔ یا وہ طبعاً اور فطری طور پر ملائکہ کی طرح گناہ سے رغبت اور میل ہی نہیں رکھتے یا وہ خواہشات اور قوتیں جن کی وجہ سے انسان معصیت اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ دوسرے لوگ جو اپنے اختیار سے معاصی اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہوں وہ ان سے افضل ہونگے، جیسا کہ ایک عالم باعمل متقی انسان ملائکہ سے افضل واشرف ہوتا ہے چونکہ ملائکہ کو اطاعت کرنے اور ترک معصیت میں کسی زحمت سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔ پس ان ذوات مقدسہ کی عصمت سے مقصود یہ ہے کہ یہ بزرگوار توفیقات الٰہی کے ذریعہ اختیار و قدرت و توانائی و خواہشات رکھتے ہوئے کسی معصیت اور گناہ پر اقدام نہیں کرتے

اور کوئی اطاعت ترک نہیں کرتے۔ ان مقربان بارگاہ الٰہی پر کمال علوم و معرفت کی بناء پر معصیت و گناہ اور ترک اطاعت کے مفاسد بالکل عیاں ہوتے ہیں اور انکی نظروں میں مثل محسوس کے ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی طرف سے کوئی مخالفت سرزد نہیں ہوتی۔

مثلاً اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس شہد یا کھانے میں جس کو کھانے کے لئے اس کا دل مائل ہے زہر ملایا گیا ہے تو وہ ہرگز اس کھانے کو نہیں کھائیگا۔ چاہے اس کا دل کتنا ہی اس کے کھانے پر مائل اور راغب ہو۔

برخلاف اس شخص کے جس نے صرف سنا ہو کہ یہ کھانا زہر آلود ہے۔ تو وہ قوائے شہویہ کے غلبہ کی وجہ سے اسے کھانے سے نہ بچ سکے گا۔

چونکہ ہادیان دین، انبیاء و رسل نافرمانی کے مفاسد اور فرمانبرداری کے مصالح اور عالم ھای اُخروی سے ایسے باخبر اور عالم تھے گویا یہ سب کچھ ان کے لئے مثل محسوسات کے تھا لہذا اسی معرفت کے مرتبہ کا اقتضا تھا کہ ان سے ہرگز معصیت و گناہ اور ترک طاعت ظہور پذیر نہ ہوا۔

ایسا نہیں ہے کہ وہ گناہ کرنے پر قادر نہیں تھے اور وہ تمام قوای شہویہ اور جاہ طلبی و قوای غضبی اور دوسری قوی سے بالکل عاری تھے۔

تیسری صفت علم۔ انبیاء و رسل اور ہادیان دین پر علم و کمال اور ہر فضیلت و عادت میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل و اشرف و بہتر ہوتے ہیں۔ تا کہ کسی کو اپنی بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے اس نبی کے حکم کو ماننے میں کسی قسم کا عذر نہ ہو سکے انبیاء و رسل کا یہ علم کسی دنیاوی مدرسے یا کسی دنیاوی مدرسے کے استاد سے حاصل کردہ نہیں ہوتا اور نہ ہی انکا یہ علم انکا ذاتی یا عین ذات اور نوعی ہوتا ہے بلکہ انکا سارا علم بذریعہ وحی خدا تعالیٰ کی جانب سے تعلیم کردہ ہوتا ہے۔ اور وہ "علمناه من لدنا علما" کے مصداق ہوتے ہیں۔ اور

"رب زدنی علما" کے مطابق اپنی زیرنگرانی خوب اچھی طرح سے تربیت کرے۔ "واصطفعتک لنفسی" کے مطابق اپنے کام کا بنالیتا ہے۔ حتی کہ اس نے مختمی مرتبت کی ایسی تربیت کی کہ انہیں "انک لعلی خلق عظیم" کی سند عطا کی یعنی اے میرے حبیب بیشک تم خلق عظیم پر فائز ہو۔ اور "وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما" (پ5 ع14 انبیاء)۔

ترجمہ۔ اور اللہ نے تجھ پر کتاب قرآن اور حکمت (ودانش) نازل کی اور تجھ کو ان باتوں کی تعلیم دی جو کہ تم کو علم نہیں تھا اور یہ اللہ کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے۔

کے مطابق قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے پیغمبر آخرالزمان کو جتنے علم کی ضرورت تھی وہ انہیں تعلیم فرمادی لیکن انکے علم کا کوئی بھی احاطہ نہیں کرسکتا ولا یحیطون بشئی من علمہ الا بما شاء۔ بس جس کے لئے وہ جتنا علم مناسب ذاتی یا عین ذات اس طرح سے نہیں ہوتا جیسے کہ نمک میں نمکینی یا تیل میں چکنائی جیسا کہ برعکس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا عبد الرسول احقاق نے "ولایت در قرآن" میں لکھا ہے۔ مذکورہ تین صفات کے علاوہ انبیاء ورسل کی صفات میں مندرجہ ذیل صفات کا ہونا بھی ضروری ہے جو اسطرح ہیں۔

چوتھی صفت۔ انبیاء ورسل کی چوتھی صفت یہ ہے کہ انکا خاندان شریف ہو۔

پانچویں صفت۔ انبیاء ورسل کی پانچویں صفت یہ ہے کہ نبی کے بدن میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کی وجہ سے لوگ اس سے نفرت کریں جیسے اندھا۔ بہرا۔ گونگا۔ لنگڑا۔ یا برص اور جذام کا ہونا۔

چھٹی صفت۔ انبیاء ورسل کی چھٹی صفت یہ ہے کہ نبی کے ماں باپ کا سلسلہ نسب حضرت

آدمؑ تک پاک وصاف ہو یعنی باپ دادا نبی کے حضرت آدمؑ تک سب کے سب مسلمان ہوں کوئی ان میں کافر نہ ہو۔ بلکہ علامہ طبرسی جو شیعوں کے معتبر عالم ہیں اپنی کتاب مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ فرقہ شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ دادا تمام نبیوں کے حضرت آدمؑ تک سب کے سب مسلمان تھے۔ اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا اور آذر حضرت ابراہیم کا چچا تھا، چونکہ عربی میں "اب" تایا چچا اور باپ دادا سب پر استعمال ہوتا ہے لہذا بعض کو آذر کے معاملہ میں اشتباہ ہوا ہے۔

آنحضرت آخری نبی ہیں

قرآن کریم اور احادیث پیغمبر اکرم سے یہ بات ظاہر اور ثابت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اور ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب اور کوئی نبی نہیں آئیگا۔ بلکہ قیامت تک آپ کی ہی نبوت جاری ہے اور آپکی ہی شریعت لاگو ہے

قرآن کریم کی وہ آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ خدا تعالی آیہ میثاق میں تمام انبیاء کے آنے کے بعد ایک آخری رسول کا ذکر اس طرح سے کرتا ہے کہ:

"ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ"

یعنی پھر تمام انبیاء کے آنے کے بعد ایک آخری رسول آئیگا جو ان تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کریگا جو پہلے انبیا تمہارے پاس لیکر آئے تھے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا۔

دوسری آیت وہ ہے جس میں خدا فرماتا ہے کہ:

"والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک و بالآخرۃ هم یوقنون اولئک علی هدی من ربهم واولئک هم المفلحون۔"

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اسپر جو تجھ پر نازل ہوا ہے اور اس پر جو تجھ سے پہلے نازل ہوا ہے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔

یعنی قرآن کریم میں آنحضرت صلعم پر اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اسپر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ جو تیرے بعد نازل ہوگا اسپر ایمان لائینگے، جیسا کہ پہلی آسمانی کتابوں میں آئندہ آنے والے انبیاء اور آخری نبی پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اکرم صلعم کے بعد سلسلہ نبوت ختم اور سلسلہ وحی و نزول وحی منقطع ہو چکی ہے۔

تیسری آیت وہ ہے جس میں خدا فرماتا ہے کہ:

"ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لا کن رسول اللہ و خاتم النبیین"

یعنی محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔

اور احادیث میں سے وہ مشہور و معروف حدیث ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور اسکی اسناد متواتر ہیں اور وہ اسطرح ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم نے حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

"یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی"

یعنی اے علی تمہیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ھارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد اور کوئی نبی نہیں آئیگا۔

یہ حدیث جہاں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی اور نبی قیامت تک نہیں آئیگا وہاں یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حضرت امیر

المومنین علیؑ ابن ابی طالب کو فخر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی نسبت و منزلت حاصل ہے جو حضرت ھارون کو حضرت موسیٰ سے حاصل تھی۔ اور آپ مرتبہ نبوت کے علاوہ اس علم و کمال اور زہد و تقویٰ کے حامل تھے۔ اور حضرت ھارون جو مرتبہ و منزلت حضرت موسیٰ سے رکھتے تھے وہی مرتبہ و منزلت نبوت کے علاوہ حضرت علی پیغمبر اکرم صلعم سے رکھتے تھے۔

پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ شیطان کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ اور یہ بات کتنی تعجب انگیز ہے کہ کوئی شخص قرآن کی تصدیق بھی کرے اور حضرت ختمی مرتبت کو راست گو اور سچا بھی جانے اور اس کے باوجود نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔

باب پنجم

امامت کے بیان میں

توحید و عدل و نبوت کے بعد شیعہ جعفریہ اثناء عشریہ کے عقائد میں سے چوتھا عقیدہ امامت پر ایمان لانا ہے۔ یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس امامت کا شیعہ جعفریہ اثناء عشریہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اسکی وضاحت کردی جائے لغت کی معروف کتاب "مفردات القرآن میں راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

"الامام" وہ ہے جس کی اقتداء کی جائے خواہ وہ انسان ہو، یا اس کے قول و فعل کی اقتداء کی جائے، یا کتاب وغیرہ ہو، اور خواہ وہ شخص جس کی پیروی کی جائے حق پر ہو یا باطل پر ہو اس کی جمع آئمہ ہے۔

عام طور پر لوگ پیش نماز کو بھی نماز میں اسکی اقتداء کرنے کی وجہ سے امام کہتے

ہیں۔ اہل سنت والجماعت، امام ابوحنیفہ، امام احمد حنبل، امام شافعی، اور امام مالک کو بھی فقہ میں انکی اقتداء کرنے کی وجہ سے امام کہتے ہے۔ شیعہ جعفریہ اثناء عشریہ کے علاوہ اور دوسرے تمام شیعوں کے نزدیک جس نے بھی تلوار کے ساتھ قیام کیا، اس کی اقتداء کی وجہ سے اسے بھی امام سمجھا گیا۔ شیعہ جعفریہ اثناعشریہ میں بھی پہلے تو امام زمانہ کی حدیث کے مطابق بزرگ شیعہ علماء و مراجع کو فقہاء و رواۃ کہا جاتا تھا پھر وہی فقہاء و رواۃ اہل سنت کی نقل کرتے ہوئے مجتہد کہلانے لگے۔ پھر کچھ عرصے بعد ان مجتہدین کو نائب امام کہا جانے لگا اور جب سے مصری علماء کے ساتھ اتحاد بین المسلمین کی کوششیں شروع ہوئیں اور انہوں نے ہمارے ان مجتہدین کو امام کہنا شروع کیا اس وقت سے شیعہ مجتہدین عظام و مراجع کرام کو بھی امام کہا جانے لگا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن نے اس شاہراہ کو بھی جس پر حضرت لوط کی وہ بستیاں تھیں جنہیں خدا نے عذاب سے تہ و بالا کر دیا تھا امام مبین کہا ہے۔ خدا نے قرآن کریم میں توریت کو بھی امام کہا ہے۔ اور ان سب کو امام کہنے کا سبب وہی لغت کے اعتبار سے اقتداء اور پیروی کرنا ہے۔

لیکن شیعہ جعفریہ اثناعشریہ کا جس امامت پر ایمان اور عقیدہ ہے وہ ہادیان خلق منصوص من اللہ معصوم عن الخطاء، آئمہ برحق، اور پیغمبر کے حقیقی جانشین ہیں جو تعداد میں بارہ ہوئے جنکا پہلا علی ہیں اور آخری امام مہدی ہادی آخر الزمان علیہم السلام ہیں۔

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے

"یوم ندعوا کل اناس بامامھم"

اس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں کے ساتھ بلائیں گے قرآن نے اس بات کی بھی نشان دہی کی ہے کہ وہ امام جن کے ساتھ تمام لوگوں کو بلایا جائیگا دو طرح کے ہونگے۔ ایک وہ جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ

"وجعلنا ھم آئمہ یھدون بامرنا"

اور ہم نے ان کو ایسے امام قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔

دوسرے وہ امام جن کے بارے خدا فرماتا ہے۔

"وجعلنا ھم آئمہ یدعون الی النار"

اور ہم نے ان کو ایسے امام قرار دیا جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے تھے۔

پس ملت شیعہ اثناء عشریہ اس امامت کا عقیدہ اور ایمان رکھتی ہے جو خدا کے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرنے والے تھے اور اس امام کو پہچاننا اور انکی پیروی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے جیسا کہ پیغمبر گرامی اسلام نے فرمایا تھا کہ۔

"من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ"

جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا"

(مسند احمد حنبل الجزء الرابع صفحہ 96)

پس قرآن کی مذکورہ آیت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی مذکورہ حدیث سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ ہر زمانہ میں ایسا امام موجود رہے گا جو خدا کے حکم سے کار ہدایت انجام دینے پر مامور ہو اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ پیغمبر کے بعد سلسلہ امامت جاری ہے۔ کیونکہ اگر پیغمبر کے بعد امامت جاری نہ ہوتی اور ہر زمانہ میں خدا کے حکم سے پیغمبر کا مقرر کردہ امام موجود نہ ہوتا تو پیغمبر ہرگز یہ نہ فرماتے کہ جو مر گیا اور اس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر کے بعد ہر زمانہ میں پیغمبر کا کوئی نہ کوئی جانشین حقیقی امام برحق اور ہادی خلق موجود رہے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد ایک وقت میں کئی کئی امام بھی ہوں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو پہچاننے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ حق کی طرف ہدایت کرنے والا!!!

امام کون ہے۔ اور تلوار کے ذریعہ قیام کرنے والا امام کون ہے۔ اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر امام کہلانے والا کون ہے اور آئمہ ھدیٰ کے مقابلہ میں اپنی علیحدہ دکان چمکانے والا امام کون ہے پس یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں جس امام کو پہچاننے کا پیغمبر اکرم نے حکم دیا ہے وہ کون ہے؟

پیغمبر اکرم کے بعد امام و ہادی خلق کون ہے؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون ہے جس کے بارے میں پیغمبرؐ نے یہ فرمایا ہو کہ تم میرے بعد امام اور ہادی خلق ہو۔ تو اس کے بارے میں فریقین کی کتابوں میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند بطور نمونہ یہاں پر نقل کیجاتی ہیں

نمبر 1: آنحضرت صلعم نے فرمایا

" اوحی الی فی ثلاث انه سید المسلمین و امام المتقین و قائد المحجلین " یعنی مجھے علیؑ کے بارے میں تین باتیں بذریعہ وحی بتائی گئی ہیں کہ علی مسلمانوں کے سردار متقین کے امام اور روشن پیشانی والوں کے قائد ہیں۔

(مستدرک امام حاکم جلد 2 صفحہ 138)

نمبر 2: آنحضرتؐ نے فرمایا۔

" علی باب علمی و مبین من بعدی لامتی ما ارسلت به حبه ایمان و بغضه نفاق "

علی میرے علم کا دروازہ ہیں اور جو کچھ مجھے دیکر بھیجا گیا ہے وہ میرے بعد میری امت کو بیان کرنے والے ہیں انکی محبت ایمان ہے اور ان کی دشمنی نفاق ہے۔

(کنز العمال جلد 6 صفحہ 156)

نمبر 3: آنحضرتؐ نے فرمایا۔

" من اطاعنی فقد اطاع الله و من عصانی فقد عصی الله و من

اطاع علیاً فقد اطاعنی و من عصی علیا فقد عصانی "

جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میرے نافرمانی کی"

(مستدرک امام حاکم جلد 3 صفحہ 121، 125)

نمبر 4: آنحضرت صلعم نے فرمایا:

" ان الله قد فرض علیکم طاعتی و نهاکم عن معصیتی و فرض علیکم طاعة علی بعدی و نهاکم عن معصیته"

بہ تحقیق خدا نے مسلمانوں کے اوپر میری اطاعت فرض کر دی ہے اور میری نافرمانی سے منع کیا ہے اور اس طرح سے خدا نے میرے بعد علی کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض کر دی ہے اور اس کی نافرمانی سے منع کیا ہے۔

(ینابیع المودت الجزء الاول باب 4 صفحہ 123)

(ریاض النضرہ الجزء الثالث باب الرابع فصل سادس صفحہ 174،

(ارجح المطالب باب 4 صفحہ 545)

نمبر 5۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا:

من احب ان یحیی حیاتی و یموت میتتی. و یدخل الجنة التی وعدنی ربی وهی جنت الخلد فلیتول علیا و ذریته من بعدی فانهم لن یخرجو کم من باب هدی و لن یدخلو کم باب ضلالة"

یعنی جو شخص یہ چاہتا ہو کہ میرا جینا جیئے اور میری موت مرے اور اس جنت میں داخل ہو جس کا وعدہ میرے پروردگار نے مجھ سے کیا ہے۔ یعنی جنت الخلد وہ علی کو اور علی کے

بعد انکی اولاد کو اپنا ولی مانے کیونکہ وہ ہرگز ہدایت کے دروازے سے تمہیں باہر کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی گمراہی کے دروازے میں داخل کرنے والے ہیں۔

(کنزل العمال جلد 6 صفحہ 15,5)

(منتخب کنزل العمال برحاشیہ مسند جلد 5 صفحہ 32

نمبر 6: آنحضرت صلعم نے فرمایا:

انا المنذر و علی ھاد و بک یا علی یھتدی المھتدون من بعدی

منذر یعنی ڈرانے والا نبی تو میں ہوں اور ھادی علی ہیں اور اے علی میرے بعد تم سے ہدایت لینے والے ہدایت پائینگے۔

(مستدرک امام حاکم الجزء الثالث صفحہ 125, 130)

(تفسیر در المنثور سیوطی الجزء الرابع صفحہ 45)

نمبر 7: آنحضرت صلعم نے فرمایا:

"آئمہ میرے فرزند سے پیدا ہونگے جس شخص نے ان آئمہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس شخص نے ان آئمہ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یہ حضرات مضبوط رسی ہیں اور اللہ تعالی کی طرف جانے کا وسیلہ ہیں"

(اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ 417 حدیث 13)

غرض پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی زندگی میں اپنی امت کے سامنے نہ صرف حضرت علیؑ کی ہادیانہ حیثیت کو پہچنوا دیا تھا بلکہ اپنے بعد جتنے امام اور ہادی ہونے والے تھے ان کی تعداد بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بتادی تھی اور یہ بتادیا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین، بارہ وصی، بارہ خلفاء، بارہ امام اور ہادی خلق ہونگے اور سب مسلمانوں پر انکی اطاعت فرض ہوگی۔

حضرت علیؑ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم سلاطین جہاں کی طرح کے فرمانروا نہیں تھے۔ اور نہ ہی آنحضرت صلعم ملک گیری اور کشور کشائی کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ نہ ہی وہ بزور طاقت برسر اقتدار آئے تھے۔ نہ ہی جمہور نے انہیں اپنی سلطنت کا متفقہ طور سے یا کثرت رائے کے ساتھ اپنا فرمانروا بنایا تھا۔ بلکہ آنحضرت صلعم خدا کی طرف سے خدائی نمائندہ کی حیثیت سے کار نبوت و رسالت انجام دینے اور خدائی احکام لوگوں تک پہنچانے اور قیامت تک لوگوں کو ہدایت کرنے اور مکارم اخلاق سے لوگوں کو آراستہ کرنے، انکا تزکیہ نفس کرنے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اور وہ خدا کی طرف سے لوگوں کے لیے ایک معلم اخلاق اور ایک معلم روحانی کی حیثیت سے آئے تھے۔ لہذا پیغمبر کے بعد آپ کے کسی ایسے جانشین کی ضرورت تھی، جو آپ کا قائمقام ہوکر آپ کی طرح جواب دے، اور لوگوں کو آپ کی طرح ہدایت کرے اور انکی رہنمائی کرے۔ اور اس کا جواب آپ کا جواب سمجھا جائے اور اس کی رہنمائی آپ کی رہنمائی سمجھی جائے اور اس کی اطاعت اور پیروی آپ کی پیروی سمجھی جائے، اور اس کی اطاعت و پیروی آپ کی اطاعت و پیروی کی طرح موجب ہدایت ہو۔ لہذا پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ کی طرف سے پیغمبرؐ کے ایسے جانشینوں یعنی خلفاء کا اعلان انتہائی ضروری تھا تا کہ خلق خدا گمراہی سے بچی رہے اور راہ ہدایت پر گامزن رہے چنانچہ پیغمبر صلعم نے اپنے اس فریضہ کو بخوبی انجام دیا اور اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے انکا تعارف کرا کر گئے۔ جس کا بیان سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ وہ بارہ ہیں۔ ان کے پہلے حضرت علیؑ ہیں ان کے بعد حسنؑ ہیں ان کے بعد حسینؑ اور ان کے بعد امام حسینؑ کے نو فرزند ہیں امام مہدیؑ تک یہ بارہ کے بارہ پیغمبر صلعم کے بعد ہادی

خلق ہیں اور امام برحق ہیں۔ اور پیغمبر صلعم کی نیابت میں ان کے جانشین حقیقی اور خلیفہ برحق کی حیثیت سے کار ہدایت انجام دینے والے ہیں۔ ان بارہ اماموں، ہادیان خلق اور خلفائے پیغمبرؐ میں سے پہلے حضرت علیؑ ہیں جو پیغمبر کے بعد بلافصل کار ہدایت دینے پر مامور ہوئے۔ ان کے بعد امام حسنؑ پیغمبر کی طرف سے کار ہدایت انجام دینے والے خلیفہ پیغمبر ہیں اسی طرح دوسرے باقی دس امام سب کے سب پیغمبر کے نائب، پیغمبر کے جانشین حقیقی اور خلیفہ کی حیثیت سے کار ہدایت انجام دینے والے تھے پس حضرت علیؑ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ پیغمبر کے بعد خلیفہ بلافصل امام و ہادی خلق تھے، نہ یہ کہ پیغمبر کے بعد وہ برسر اقتدار آگئے تھے اور مسلم ریاست کے فرمانروا بن گئے تھے اور یہ بات تو کوئی احمق بھی نہیں کہہ سکتا۔ یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ صلعم کی حکومت کو ایک دنیاوی سلطنت سمجھنے والوں نے حضرت ابوبکر کو اپنا حاکم اور فرمانروا مان لیا تھا، ان کے بعد حضرت عمر برسر اقتدار آئے اور ان کے بعد حضرت عثمان برسر اقتدار آئے۔ اور حضرت علیؑ کو حتماً و یقیناً چوتھے نمبر پر دنیاوی اقتدار سپرد کیا گیا۔ یہ سب کے سب کس طرح برسر اقتدار آئے اسے ہم نے اپنی کتاب "حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں" میں تفصیل سے بیان کیا ہے لہذا وہاں رجوع کیا جائے۔ بنابریں برادران اہلسنت کا حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل کہنے پر اظہار ناراضگی کرنا کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ حضرت علیؑ اس معنی میں خلیفہ بلافصل ہیں کہ وہ پیغمبر صلعم کے بعد ہونے والے مذکورہ بارہ اماموں میں سے کار ہدایت انجام دینے کے لیے حقیقی جانشین پیغمبرؐ اور پہلے امام و ہادی خلق ہیں اور ان بارہ میں بلافصل خلیفہ رسول تھے جن کو خدا نے کار ہدایت سپرد کیا تھا اور پیغمبر صلعم نے اس کا بارہا اعلان کیا تھا۔ ان بارہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

بارہ اوصیاء یا بارہ امام کی پیشین گوئی

پیغمبر اکرم صلعم کی یہ حدیث کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین، بارہ خلفاء، بارہ اوصیاء یا بارہ امام ہوں گے نہ صرف شیعوں کی حدیث کی کتابوں میں بلکہ اہل سنت کی صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری تمام معتبر و معروف و مستند کتابوں میں اس کثرت سے نقل ہوئی ہیں کہ اس کے لیے کسی میں بھی مجال انکار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اہل سنت کے معروف عالم و مورخ و سیرت نگار مولانا شبلی نعمانی جیسے محقق و نقاد نے بھی اپنی کتاب سیرت النبیؐ جلد سوم میں جس میں انہوں نے پیغمبر صلعم کی طرف منسوب بہت سی احادیث و روایات پر جرح و تنقید کی ہے اور ہر وہ حدیث جس پر انہیں انگلی رکھنے میں ذرا سی بھی گنجائش ملی ہے، اس پر تنقید و جرح اور رد و قدح کی ہے لیکن اس حدیث کو انہوں نے بھی صحیح قرار دے کر اسے پیغمبر کی پیشین گوئیوں میں تحریر فرمایا ہے۔

اور شیخ سلیمان قندوزی حنفی کے تبصرہ کے مطابق یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ خلفاء ہوں گے۔ اور رسول اللہ کی مراد اس حدیث سے وہ بارہ امام ہیں جو آپ کے اہل بیت اور آپ کی عترت سے پیدا ہوں گے"

(اردو ترجمہ ینابیع المودت باب 7 صفحہ 598-599)

یہ آئمہ اہل بیت سب کے سب منصوص من اللہ، معصوم عن الخطاء، عالم علم الدنی اور صاحب معجزات و کرامات ہوئے ہیں۔ اور ان کی عصمت پر حدیث کساء اور آیہ تطہیر کے علاوہ وہ حدیث گواہ ہے جو اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ

اصبغ بن نباتہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے ہوئے سنا: "میں خود علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ اور حسینؑ کے نو فرزند پاک اور معصوم ہیں۔

(اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ 416 حدیث نمبر 6)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث پاک میں معصوم ہونے میں ان بارہ اماموں کے ساتھ خود کو بھی شامل کیا ہے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ جیسا میں پاک و پاکیزہ ہوں اور معصوم ہوں ایسے ہی وہ بارہ خلفاء وامام پاک و پاکیزہ، طاہر و مطہر اور معصوم ہیں اور ان پاک اور معصوم اماموں کے نام حسب ذیل ہیں۔

اول امام حضرت علیؑ، دوسرے امام حضرت امام حسنؑ، تیسرے امام حضرت امام حسینؑ، چوتھے امام حضرت علی ابن الحسینؑ، پانچویں امام حضرت محمد بن علی الباقرؑ چھٹے امام حضرت امام جعفر صادقؑ، ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظمؑ آٹھویں امام حضرت امام علی رضاؑ نویں امام حضرت امام محمد تقیؑ، دسویں امام حضرت امام علی نقیؑ، گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکریؑ، بارھویں امام حضرت امام مھدی حادی آخر الزمان علیہ السلام۔

بارہ اماموں کی ہونے میں کیا حکمت تھی؟

یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئیگا۔ اور آپ کے بعد کسی اور نبی کے نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ اب قیامت تک آپ کی ہی شریعت نافذ ہے۔ اور قیامت تک ہدایت خلق کا کام انجام دینا بھی آپ ہی کی ذمہ داری ہے۔ چاہے خود انجام دیں یا اپنے کسی نائب وصی کے ذریعہ انجام دیں کیونکہ پیغمبر اکرم، جہاں ارشاد خداوندی:

"قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" (اعراف)

یعنی اے میرے حبیب تم یہ اعلان کر دو کہ اے تمام انسانوں میں (قیامت تک) تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں" کے مطابق قیامت تک تمام انسانوں کے رسول ہیں،

وہاں قیامت تک انسانوں کی ہدایت کی ذمہ داری بھی آپ ہی کی ہے۔ جس پر قرآن کریم کی بہت سے آیات شاہد ہیں ان میں سے چند یہ ہیں

نمبر1: "انما انت منذر ولکل قوم ھاد" (الرعد-7)

یعنی سوائے اسکے نہیں کہ تم ڈرانے والے نبی ہو اور ہر قوم کے حادی

اور وہ حدیث جس میں یہ کہا گیا ہے کہ میں تو ڈرانے والا نبی ہوں اور اے علی تم حادی ہو اور میرے بعد تمہارے ذریعہ ہدایت پانے والے ہدایت پا جائیں گے" تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں صرف ڈرانے والا ہوں اور ہادی نہیں ہوں بلکہ یہ حدیث اس حدیث کی صراحت کرنے والی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ:

"اے علی تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

پس مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علی میرے بعد ہادی ہیں لیکن وہ نبی نہیں ہیں اور میں نبی بھی ہوں اور ہادی بھی ہوں چنانچہ کار رسالت و نبوت کے علاوہ قرآن کریم پیغمبر کے ہادی ہونے کی گواہی دیتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے،

"انک لتھدی الی صراط مستقیم" (الشوریٰ-52)

بیشک یقینی طور پر تم ضرور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہو اور کرتے رہو گے۔

اور خداوند تعالیٰ نے انسانوں پر ہادیان دین کی اطاعت و پیروی صرف اسی لئے واجب کی ہے کہ انکی اطاعت و پیروی میں انسانوں کی ہدایت مضمر ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ: "وان تطیعوہ تھتدوا" (النور-54)

یعنی اگر تم اسکی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اور اسی طرح آپ کی اتباع اور پیروی کا فائدہ بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"واتبعوه لعلکم تهتدون" (الاعراف-109)

یعنی تم اسکی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

پس قیامت تک کے لوگوں کو ہدایت کرتے رہنے کی ذمہ داری بھی آنحضرت ہی کے اوپر ہے۔ لیکن چونکہ آپ کے لیے اس جہان سے رخصت ہو جانا مقدر ہو چکا تھا لہذا ضروری تھا کہ آپ کے بعد کوئی آپکا ایسا نائب و جانشین و قائم مقام ہو جو آپکی طرف سے کار ہدایت انجام دے اور اس کا کام آپکا کام شمار ہو اور اسکا فعل آپکا فعل شمار ہو اور اسکی اطاعت پیغمبر کی طرح موجب ہدایت ہو اور اسکی پیروی سے پیغمبر کی طرح ہدایت حاصل ہو

پس پیغمبرؐ سلاطین جہاں کی طرح ملک گیری و کشور کشائی کیلیے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ خدائی نمائندہ کی حیثیت سے کار نبوت و رسالت انجام دینے اور خدائی احکام لوگوں تک پہنچانے اور قیامت تک لوگوں کی ہدایت کا ذمہ دار بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام نے قرآن کی صورت میں جو کچھ نازل ہوا تھا وہ سب کا سب امت کو پہنچا دیا تھا۔ تو اس حال میں دو ہی صورتیں تھیں یا تو یہ سمجھا جائے کہ پیغمبر کے بعد آپ کے کسی جانشین اور کسی خلیفہ یا امام و ھادی خلق کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور دوسری صورت یہ تھی کہ پیغمبر کے بعد آپ کے کسی ایسے جانشین اور کسی ایسے خلیفہ یا ھادی و امام کی ضرورت تھی جو آپ کا قائم مقام ہو کر آپ کی طرف سے آپ کی طرح جواب دیتا اور رہنمائی کرتا اور اس کی رہنمائی آپ کی طرف سے رہنمائی سمجھی جاتی۔ اور اس کی طرف سے ہدایت آپکی اطاعت اور اسکی پیروی آپ کی پیروی سمجھی جاتی۔ اور اس کی اطاعت و پیروی آنحضرت کی اطاعت و پیروی کی طرح موجب ہدایت ہوتی۔

پہلی صورت میں پیغمبرؐ کی ساری محنت ضائع ہو جاتی اور دین برباد ہو جاتا۔ کفار قریش کے آنحضرت صلعم کو "ابتر" کہنے یعنی بے اولاد ہونے پر خوش ہونے میں یہی فلسفہ

کارفرما تھا کہ جب آپ مر جائیں گے تو اس دین کا کوئی والی و وارث نہ ہوگا۔ پس قدرت نے اس بات کا انتظام کیا کہ پیغمبر کے بعد آپ کی طرف سے یہ فریضہ ادا کرنے والا کوئی نہ کوئی ضرور قیامت تک موجود رہے۔

لیکن خداوند تعالیٰ کو علم تھا کہ جس طرح بنی اسرائیل اپنے انبیا کو قتل کرتے رہے اسی طرح یہ امت بھی پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ کے حقیقی جانشینوں، ھادیان دین اور آئمہ برحق کو قتل کرتی رہے گی یا زہر دغا سے شہید کرتی رہے گی۔

لیکن خدا کی طرف سے حجت تمام کرنے کے لئے اور لوگوں کو ہدایت دینے کے لئے پیغمبرؐ کے ان جانشینوں، خلفاء، ھادیان خلق اور آئمہ برحق کا تقرر بھی ضروری تھا، کیونکہ پیغمبرؐ گرامی اسلام کے زمانہ میں شرک کی نمایاں صورت صرف بت پرستی تھی لہذا آپ نے بت پرستی کے خلاف بڑی شدت کے ساتھ مجاہدہ کیا۔ لیکن کفر و شرک و الحاد و زندقہ و بے دینی کی وہ صورتیں جو پیغمبرؐ کے بعد پیدا ہوئیں اور دین اسلام میں داخل ہوئیں ان کے پیدا ہونے سے پہلے امت کے افراد کو سمجھایا نہیں جا سکتا تھا۔ ان کے لئے پیغمبرؐ کے کسی ایسے جانشین و خلیفہ و امام و ھادی خلق کی ضرورت تھی جسے پیغمبرؐ نے اپنے نائب کی حیثیت سے تعلیم و تربیت کیا ہو۔ اور جو کفر و شرک و الحاد و زندقہ و بے دینی کی ان نئی پیدا شدہ صورتوں کا پیغمبر کی طرح سے جواب دیتا رہے۔

اگر امت خدا کے مقرر کردہ پیغمبرؐ کے ان حقیقی جانشینوں خلفاء، اماموں، اور ھادیوں کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی اور ان کی اطاعت و پیروی کو اپنا شیوہ بنا لیتی تو خدا کی یہ نعمت قیامت تک ظاہری طور پر بھی جاری رہتی۔ اور اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی۔ لیکن یہ امت پیغمبرؐ کے ان حقیقی جانشینوں، خلفاء، اماموں، اور ھادیوں کو قتل کرنے میں بنی اسرائیل سے کسی طرح بھی پیچھے نہ رہی۔ اور چونکہ خداوند تعالیٰ کی مشیت، مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔

لہذا مشیت ایزدی کا تقاضا یہ ہوا کہ پیغمبرؐ کے بعد اس وقت تک جب کہ کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی کی تمام صورتیں ظہور پذیر نہ ہو جائیں اس وقت تک چاہے جو بھی ظلم و ستم ہوتا رہے ہر صورت میں پیغمبرؐ کے ایسے جانشینوں خلفاء، اماموں، اور ھادیوں کا سلسلہ ظاہری طور پر بھی جاری و قائم رہے تاکہ وہ اپنے اپنے زمانہ میں کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی کی ہر نئی پیدا ہونے والی صورت کا جواب اپنے ماننے والوں اپنی اطاعت کرنے والوں اور اپنی پیروی کرنے والوں کو علی الخصوص اور ساری امت کو علی العموم اچھی طرح سے سمجھاتے رہیں۔

پس اس بہترین اندازہ کرنے والے خدا نے اپنے اندازے سے یہ قرار دیا کہ بارہ اماموں تک کفر و شرک و زندقہ و بے دینی کی تمام صورتیں ظہور پذیر ہو جائیں گی اور ان کے بعد جو بھی صورت ہوگی وہ انہیں کے شعبے اور انہیں کی شاخیں ہونگی۔ اور یہ بارہ کے بارہ امام اپنے اپنے زمانے میں پیدا ہونے والے کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی کی ہر صورت کا جواب سمجھا دیں گے اور ان بارہ آئمہ کے زمانہ کے بعد کے زمانہ میں کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی کی جتنی صورتیں ہونگی، ان سب کا سرچشمہ پیغمبر اکرم صلعم سے لیکر بارہویں امام کے زمانہ تک ہونے والی کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی ہی ہوگا۔

پس خداوند تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کی ہدایت کیلئے، امت کے تمام ظلم و ستم اور مصائب و آلام کے برداشت کرنے اور ہادیان دین کو مسلسل قتل کرنے اور زہر سے شہید کئے جانے کے باوجود سلسلہ ھدایت کو بارہویں امام تک پہنچا کر رہے گا۔ لہذا اپنے حبیب سے یہ اعلان کرایا کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین بارہ خلفاء، بارہ وصی، بارہ امام اور بارہ ھادیان خلق ہونگے، اور وہ وحی خدا اور ارشاد پیغمبر کے مطابق بارہ ہی ہوئے، اور کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی کی جتنی صورتیں تھیں وہ ان بارہ اماموں کے زمانہ تک ظاہر ہو گئیں۔

اور آئمہ علیہم السلام نے ان کا رد و ابطال اور ان کا جواب لوگوں کو سمجھا دیا۔ اور اب قیامت تک کوئی نئی صورت کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی کی پیدا نہ ہوگی۔ یعنی بارہویں امام کے زمانہ تک دنیا میں کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی کی ہر وہ صورت جو وہ اختیار کر سکتی تھی کر چکی تھی۔ اب آئمہ کے بعد قیامت تک کوئی ایسی صورت اور حالت پیدا نہ ہوگی جو ان بارہ اماموں میں سے کسی امام کے زمانہ میں پیدا نہ ہو چکی ہو، اور اب دنیا پر کوئی ایسی حالت نہ آئیگی جس میں سے وہ پہلے گذر نہ چکی ہو۔ اور اس میں سے ہر صورت اور ہر حالت کے لئے آئمہ علیہم السلام کی تعلیم موجود ہے۔ اس کو تلاش کرو اور اس پر عمل کرو۔ اور یہی حکمت تھی بارہ اماموں تک پہنچانے میں، ورنہ دو تین اماموں پر بھی اکتفا کیا جا سکتا تھا۔ اور بارہ سے زیادہ بھی امام مقرر کیئے جا سکتے تھے۔ اور قیامت تک بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جا سکتا تھا۔ لیکن قدرت نے یہ کام بارہ اماموں تک انجام دیدیا۔ اور کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی جو بھی صورت اختیار کرتی تھی اس کا جواب دینے کے لیئے خدا کا مقرر کردہ امام موجود ہوتا تھا۔ لیکن بارہویں امام تک جب قدرت نے اپنا مطلوبہ کام انجام دیدیا۔ اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد حکومت وقت اس بات پر تل گئی کہ آپکا جانشین زندہ نہیں چھوڑنا۔ تو خدا نے خود اس کی حفاظت کی اور انکو پہلے ایک قلیل عرصہ کے لئے غیبت صغریٰ کے عنوان سے لوگوں کی نظروں سے غائب کر دیا اور انکی اس طرح سے حفاظت کی جس طرح حضرت عیسیٰ کی حفاظت کی تھی جبکہ بادشاہ وقت حضرت عیسیٰ کے قتل کے درپے تھا۔

غیبت صغریٰ کے عرصہ میں نواب اربع کے توسط سے ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور غیبت کبریٰ واقع نہیں ہوئی جب تک کہ امام زمانہ نے ان نواب اربعہ کے ذریعہ اس زمانے میں پیدا ہونے والی کفر و شرک والحاد و زندقہ و بے دینی کی تمام صورتوں کا جواب اور احکام شریعت کی جزئیات کو لوگوں کو نہ سمجھا دیا، اور انہیں آئندہ کا لائحہ عمل نہ بتا دیا۔ اور جب

بارہوں امام نے غیبت صغریٰ میں اپنی تمام ذمہ داریوں کو پورا کر دیا تو خدا نے بارہویں امام کو لوگوں کی نظروں سے ایک وقت خاص تک کے لئے غائب کر دیا۔ جو اس وقت ظہور کریگا جب خدا کا حکم ہوگا۔ اور غائب رکھنے میں اور موجود نہ ہونے میں یہ فرق ہے کہ غائب رکھنے میں خدا کی حجت قائم ہے لیکن بالکل موجود نہ ہونے میں خدا کی حجت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ جہاں تک غائب رکھنے کا تعلق ہے تو اس کے ذمہ دار خود لوگ ہیں۔

آئمہ ھدیٰ کی خصوصیات وصفات

تمام ھادیان دین کے لئے چاہے وہ نبی ہوں یا رسول ہوں یا امام ہوں، کچھ خصوصیات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ اگرچہ آج تک کسی نے اس مسئلہ میں خصوصی طور پر اس طرح سے کچھ نہیں لکھا۔ لیکن چونکہ کفر وشرک والحاد وزندقہ و بے دینی اختیار کرنے والوں نے جسطرح خدا کے لئے ان صفات کا انکار کیا جو خدا کے لئے ہیں۔ اور خدا کے لئے ان صفات کا عقیدہ اپنایا جو خدا میں نہیں ہیں لہذا خدا کے لئے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ پر ایمان لانا لازمی ہوا یعنی جو شخص خدا کی صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ پر ایمان نہیں رکھتا۔ کا عقیدہ توحید صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح تمام ھادیان خلق یعنی انبیاء ورسل اور آئمہ کے لئے بھی کچھ مخصوص صفات وخصوصیات کو ماننا اور کچھ صفات وخصوصیات کی ان سے نفی کرنا لازمی و ضروری ہے۔

کیونکہ جس طرح خدا کی صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ پر صحیح صحیح ایمان نہ ہونے کی صورت میں کسی کا عقیدہ توحید درست نہیں ہو سکتا اسی طرح ھادیان دین یعنی انبیاء ورسل اور آئمہ علیہم السلام میں ان صفات وخصوصیات کو نہ ماننے سے جو ان میں ہیں اور ان صفات اور خصوصات ماننے سے جو ان میں نہیں ہیں کسی کا نبوت ورسالت وامامت پر عقیدہ

درست نہیں ہو سکتا بلکہ ایسی باتوں کو جو ان میں نہیں ہیں ان میں ماننے سے کفر وشرک لازم آتا ہے۔ لہذا ہم پہلے ان باتوں اور صفات وخصوصیات کا ذکر کرینگے جنکا آئمہ میں ہونا ماننا ضروری ہے۔ اور پھر ان باتوں کا ذکر کرینگے جنکا آئمہ میں نہ ماننا ضروری ہے اور ان صفات کی آئمہ سے نفی لازم ہے۔

ان صفات کا بیان جو آئمہ میں ماننا ضروری ہیں

وہ صفات جنکا آئمہ میں ماننا ضروری ہے ان میں سے تین صفات تو وہ ہیں جو بارہ آئمہ میں سے صرف پہلے امام یعنی حضرت علی ابن ابی طالب کے لئے مخصوص ہیں اور باقی آئمہ کے لئے نہیں ہیں۔ یعنی حضرت علی کا خصوصی لقب ''امیر المومنین'' ہونا صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی دوسرے امام کے ساتھ نہیں، دوسرے حضرت علی کا خلیفہ بلا فصل ہونا صرف حضرت علی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی دوسرے امام کے ساتھ نہیں اور تیسرے حدیث'' انا مدینه العلم و علی بابها '' میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔'' کے مطابق باب شہر علم نبی آپ ہی کا لقب ہے۔ اگرچہ تمام آئمہ اطہار عالم علم لدنی تھے لیکن چونکہ اس حدیث کا ایک خاص مطلب یہ بھی ہے کہ میرے بعد جس دروازے سے ہدایت ملے گی وہ علی ہیں۔ اس لیے یہ لقب آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

مذکورہ صفات کے علاوہ تمام ہادیان دین اور آئمہ اطہار کے لئے انہیں پیغمبر کا جانشین حقیقی ماننا۔ انہیں خلیفہ رسول ماننا۔ انہیں امام برحق ماننا، انہیں ھادی خلق ماننا، انہیں رہبر ورہنما پیشوائے دین ماننا۔ انہیں وصی رسول ماننا انہیں عالم علم لدنی ماننا، انہیں صاحب کرامات ومعجزات ماننا، اور انہیں سب کو صادق وصدیق ماننا لازم وضروری ہے اور ان صفات میں سے کسی بھی صفت کو تسلیم نہ کرنا اور نہ ماننا انکی شان میں تقصیر اور ان آئمہ پر صحیح صحیح ایمان نہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور آئمہ علیہم السلام کے لئے ان مذکورہ صفات پر

ایمان رکھنا امامت کے عقیدہ کے صحیح اور درست ہونے کے لئے کافی ہے۔

ان صفات کا بیان جن کی آئمہ سے نفی لازم ہے

کیونکہ غالیوں کو بھی جو حضرت علی کو خدا کہتے ہیں شیعہ کہا جاتا ہے۔ نصیریوں کو بھی جو حضرت علی کو خدا مانتے ہیں شیعہ کہا جاتا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں آئمہ علیہم السلام کو خدا کہنے والے اور آئمہ میں خدا کے حلول کے قائلین کو بھی شیعہ کہا جاتا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہونے والے مفوضہ تو خود کو شیعہ اثناعشری ہی کہتے ہیں اور ایران و پاکستان و ہند کے بہت سے صوفی فرقے بھی خود کو شیعہ اثناعشری ہی کہتے ہیں۔ اور بہت سے شیعہ فلاسفہ بھی جنہوں نے فلسفہ یونان کی پیروی میں تمام دینی عقائد کو بدل کر رکھ دیا اور جنہیں مراجع عظام نے زندیق و بے دین قرار دیا وہ بھی خود کو شیعہ اثناعشری ہی کہتے ہیں۔ اور مذہب شیخیہ جو مذکورہ تمام خرافی فرقوں کے عقائد کا مجموعہ اور نچوڑ ہے وہ بھی خود کو شیعہ اثناعشری ہی کہتے ہیں۔ اور حقیقی شیعیان اثنا عشری ان سے اتنے مغلوب ہو چکے ہیں کہ اب وہ اسطرح سے زندگی بسر کر رہے ہیں جسطرح اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے دور میں حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل، امام برحق، اور ھادی خلق ماننے والے دوسرے مسلمانوں میں بسر کرتے تھے، یا حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانے والوں میں معنوی و حقیقی شیعہ رہتے تھے۔ اور شاید اب بھی ان کی تعداد اس نسبت سے کچھ زیادہ نہ ہو جس نسبت سے وہ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کہلانے والوں میں تھے۔

ان مذکورہ باطل فرقوں کے ساتھ میل جول اور انکے غلبہ کی وجہ سے ضعفائے شیعہ اور بے خبر و سادہ لوح شیعہ عوام صریح طور پر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے آئمہ کے بارے میں غالیوں اور نصیریوں کی کفریات کو، مفوضہ کے نظریات کو، صوفیوں کی بدعات کو،

اور شیخیوں کے خرافی اعتقادات کو گلے لگا لیا ہے اور انہیں صحیح شیعہ عقیدہ سمجھنے لگ گئے ہیں۔

بنابریں آج شیعیان جعفریہ اثناعشریہ کے سادہ لوح عوام کی اکثریت، غالیوں اور نصیریوں کی کفریات، مفوضہ کے مشرکانہ نظریات، صوفیوں کی بدعات اور شیخیوں کے خرافی اعتقادات کو لاعلمی اور بے خبری کی وجہ سے سادہ لوحی میں اپنا بیٹھی ہے کیونکہ یہ سب باطل فرقے بھی خود کو شیعہ اثناعشری ہی کہتے ہیں لہذا بہت سے ضعفائے شیعہ اور بے خبر اور سادہ لوح شیعہ عوام نے ان ہی باطل فرقوں کے عقائد فاسدہ کو شیعہ عقائد سمجھ لیا ہے لہذا اہم ذیل میں ان باتوں میں سے چند کا بیان کرتے ہیں جنکی آئمہ اطہار میں ہونے کی نفی لازم ہے۔

نمبر 1: آئمہ کا علل اربع ہونا

آئمہ میں جس صفت کی نفی کرنا لازم ہے ان میں سب سے پہلی ان کا علل اربع ماننا ہے۔

اگر چہ پاکستان کے شیعہ عوام میں اس اصطلاح کا کوئی خاص چرچا نہیں ہے مگر شیخیوں کی تمام خرافات، اور فاسد نظریات و عقائد کی جڑ بنیاد یہی فلسفہ علل اربع ہے۔ اور علل اربعہ کا مطلب وہی ہے جسے مولانا محمد اسمٰعیل دیوبندی نے جو معروف شیعہ واعظ اور مبلغ اعظم کہلاتے تھے اور فی الحقیقت مذہب شیخیہ رکھتے تھے، اپنی کتاب "تنبیہ المومنین عن شبھات المقصرین" میں بیان کیا ہے یعنی علت مادی، صوری، فاعلی، غائی چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل اپنی اس کتاب کے صفحہ نمبر 22 پر لکھتے ہیں۔

عقیدہ پنجم۔ محمد و آل محمد علل اربع ہیں، یعنی علت مادی، صوری فاعل اور غائی، بیشک محققین علما کا یہ عقیدہ ہے (تنبیہ المومنین عن شبھات المقصرین ص 22)

پاکستان کے یہ سارے معروف واعظین و مقررین و مبلغین مذہب شیخیہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود کو علماء، محققین کہتے تھے۔ تاکہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اسے انکی تحقیق سمجھا جائے، حالانکہ وہ بے خبر شیعوں کے سامنے مذہب شیخیہ کی ان کتابوں سے جو ان کے پاس

تھیں مذہب شیخیہ کے عقائد کو بیان کرتے تھے۔

اور چونکہ مذہب شیخیہ بھی خود کو شیعہ جعفریہ اثنا عشریہ کہتا ہے اسی طرح سے جس طرح سے مرزائی خود کو سنی حنفی کہتے ہیں۔ جبکہ شیعہ مراجع عظام نے مذہب شیخیہ کو کافر ضال ومضل قرار دیا ہے اسی طرح جس طرح سنی علماء نے مرزائی حضرات کو غیر مسلم قرار دیا ہے۔ اور چونکہ پاکستان کے شیعہ عوام کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ لہذا مذکورہ واعظین مذہب شیخیہ کے عقائد ونظریات کا شیعہ عالم بن کر پرچار کرتے رہے اور شیعہ عوام ان عقائد ونظریات کو ان سے شیعہ عالم سمجھ کر، بیان کرتے ہوئے، سن کر اپناتے رہے۔

شیخ احمد احسائی کے فلسفہ علل اربع کو ہم نے اپنی کتاب نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اور نوع نبی وامام میں اور عقائد الشیخیہ وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یہاں پر اسکا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

شیخ احمد احسائی نے اپنے دل سے یہ فلسفہ گھڑ کر پیش کیا ہے کہ ساری کائنات جس مادہ سے بنی وہ محمد وآل محمد کا نور تھا۔ لہذا محمد وآل محمد کائنات کی علت مادی ہیں۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی اپنی کتاب شرح زیارت کے صفحہ 343 پر لکھتا ہے کہ: ''کیف یکون مخلوق ولا مادة له بل لا بد من مادة'' یعنی کوئی بھی مخلوق وجود میں ہی نہیں آسکتی جب تک کہ اسکا مادہ نہ ہو۔ اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلوق ہو اور اسکا مادہ نہ ہو بلکہ ناگزیر ہے یہ امر کہ ہر مخلوق مادہ سے ہی خلق ہوئی ہو۔

اور اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ محمد وآل محمد یقیناً مخلوق ہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس مادہ سے بنے؟

تو شیخ احمد احسائی واضح طور پر شرح زیارت کے صفحہ 213 پر یہ بیان کرتا ہے کہ محمد وآل محمد کا نور خدا کے نور میں سے اس طرح نکلا جس طرح سورج میں سے سورج کی

شعاعیں نکلتی ہیں۔ اور جب محمد وآل محمد کا نور جسے وہ مادہ کہتا ہے خدا کے نور میں سے نکلا تو وہ مادہ جو کسی چیز میں سے نکلا ہو وہ بھی مادہ ہی ہوگا۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی شرح زیارت کے صفحہ 343 پر واضح الفاظ میں خدا کو بھی مادہ قرار دیتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ

''فلایکون شی الا وله مادة و صورة ووقت و مکان الا الوحد الحق تعالیٰ فانه وقته ذاته و مادته عین ذاته'' (شرح زیارت صفحہ 343 سطر 14,13)

یعنی کوئی بھی شے موجود ہو ہی نہیں سکتی سوائے اس کے کہ اسکا مادہ بھی ہوتا ہے اور اسکی صورت بھی ہوتی ہے اور وقت بھی ہوتا ہے اور مکان بھی ہوتا ہے سوائے خدائے واحد کے کیونکہ اسکی ذات ہی وقت ہے اور اسکا مادہ اسکی عین ذات ہے

ذرا غور کیجیے شیخ احمد احسائی نے اپنے فلسفہ کے ذریعہ کس صفائی کے ساتھ مادیین کے مادہ کو اسلامی اصطلاحات کے ساتھ گڈمڈ کر کے مسلمانوں کو خدا بنا دیا ہے۔ اور چونکہ اس نے خدا کو مادہ قرار دیا ہے لہذا یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر وہ مادہ کس چیز سے پیدا ہوا تو وہ اسلامی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

''و مادته عین ذاته'' اسکا مادہ اسکی عین ذات ہے

یعنی جس طرح مادیین مادہ کو قدیم مانتے ہیں شیخ احمد احسائی بھی مادہ کو ہی قدیم مانتا ہے لیکن اس مادہ کو وہ خدا کہتا ہے اور مادہ کو اسکی عین ذات بتلاتا ہے اور چونکہ فلسفہ یونان یہ کہتا ہے کہ ''الواحد لا یصدر عن الواحد الا الواحد'' یعنی ایک چیز میں سے ایک چیز کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا لہذا شیخ احمد احسائی بھی یہی کہتا ہے کہ خدا کے مادہ میں سے محمد وآل محمد کا نور نکلنے کے بعد اور کچھ نہیں نکلا بلکہ اس کے بعد کائنات کی ہر شے محمد وآل محمد کے مادہ سے بنی، حالانکہ وہ کائنات کے مختلف طبقات کے بیان میں یہ کہتا ہے کہ محمد وآل محمد کے نور کی شعاعوں سے انسانوں کا نور بنا پھر انسانوں کے نور کی شعاعوں سے جنوں کا نور بنا پھر

جنوں کے نور کی شعاعوں سے فرشتوں کا نور بنا پھر فرشتوں کے نور کی شعاعوں سے حیوانات کا نور بنا پھر حیوانات کے نور کی شعاعوں سے نباتات کا نور بنا پر نباتات کے نور کی شعاعوں سے جمادات بنے۔ اسطرح تو محمد و آل محمد کے نور کی شعاعوں سے بھی ایک ہی چیز بنی اور وہ انبیاء کا نور تھا اور پھر ہر طبقہ کے نور کی شعاعوں سے اگلے طبقہ کا نور بنا تو اسطرح بھی محمد و آل محمد ساری کائنات کی علت مادی نہیں کہلا سکتے کیونکہ اس کے کہنے کے مطابق محمد و آل محمد کا نور بھی تو خدا کے نور میں سے نکلنے والی شعاعوں سے بنا لہذا محمد و آل محمد کو اسطرح سے ساری کائنات کی علت مادی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اسطرح بھی خدا ہی ساری کائنات کی علت مادی قرار پاتا ہے اور ایسا کہنا کفر ہے اور یہ وحدت الوجود کا عقیدہ ہے۔ رہی علت فاعلی تو شیخ نے محمد و آل محمد کو علت فاعلی صرف اس بنا پر کہا ہے چونکہ اس کے مفروضے کے مطابق ساری کائنات محمد و آل محمد کے مادہ سے بنی ہے لہذا انکے نزدیک وہی ساری کائنات کے خالق اور علت فاعلی ہیں۔ لیکن جب اس کے فلسفہ کے مطابق بھی اولین مادہ جس کے نور کی شعاعوں سے محمد و آل محمد کا نور بنا۔ خدا ہے۔ اور پہلے اور بعد پیدا ہونے والی ساری مخلوق پے درپے اسی کے مادہ سے بنی جسے وہ اسکی عین ذات کہتا ہے۔ تو اس طرح تو علت فاعلی ساری کائنات کی خدا ہی ہوگا اور خدا کو اسطرح سے علت فاعلی سمجھنا ہی وحدت الوجود ہے۔ اور کفر ہے، لیکن چونکہ شیخ احمد احسائی اس فلسفہ کے ذریعہ اپنے عقیدہ تفویض کو مستدل کرنا چاہتا تھا لہذا اس نے غلط طور پر خدا کو چھوڑ کر محمد و آل محمد کو علت فاعلی قرار دیا تا کہ وہ اپنے عقیدے تفویض کے مطابق انہیں ہی خالق و رازق و محی و ممیت و مدبر کائنات اور سارے جہان کا نظام چلانے والا کہہ سکے۔ اب رہی یہ بات کہ محمد و آل محمد ساری کائنات کی علت صوری ہیں یعنی ساری کائنات کی مخلوق محمد و آل محمد کی صورت پر ہیں تو میں اسکی تفصیل میں جانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف رو سائے شیخیہ ہیں جو گدھے، کتے اور سور وغیرہ کو محمد

و آل محمد کی صورت پر کہہ سکتے ہیں۔ اور اسکو فضیلت کا نام دیتے ہیں اور بے خبر سادہ لوح شیعہ عوام سے ایسے فضائل پر داد لیتے ہیں۔

اب رہی علت غائی یعنی ساری کائنات محمد و آل محمد کے لئے خلق کی گئی ہے۔ تو قرآن یہ کہتا ہے کہ خدا نے بشر کو اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور سارے جہان کی محفل میں نے اسی کے لئے سجائی ہے اور ساری کائنات کو میں نے اسی کی خاطر پیدا کیا ہے اور محمدؐ و آل محمد سارے انسانوں میں افضل ترین و اکمل ترین انسان ہیں لہذا وہ سب سے بڑھ کر اس بات کے مصداق ہیں کہ یہ کہا جائے کہ ساری کائنات ان کے لئے خلق کی گئی ہے اور یہی اس حدیث قدسی کا منشاء و مطلب ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ:

"لولاک لما خلقت الافلاک"

یعنی اے میرے حبیب اگر میں تجھے خلق نہ کرتا تو ساری کائنات کو ہی خلق نہ کرتا۔

اس حدیث قدسی کا مطلب وہ نہیں ہے جو شیخ احمد احسائی نے مراد لیا ہے کہ اگر تمہارا مادہ نہ ہوتا تو میں کائنات میں کسی چیز کو خلق ہی نہیں کر سکتا کیونکہ کوزہ تو مٹی سے بنتا ہے۔ اگر مٹی ہی نہ ہوگی تو کوزہ کہاں سے بنے گا۔

یہ ہے علل اربع کا فلسفہ اور مذہب شیخیہ کے تمام عقائد اسی علل اربع کے فلسفہ کا نتیجہ ہیں۔ اور انکے تمام عقائد کی جڑ بنیاد یہی فلسفہ ہے اور شیخ کے وقت کے تمام مراجع عظام نے اسی علل اربعہ کے فلسفہ کی بنا پر ہی شیخ احمد احسائی کو کافر قرار دیا تھا اور اس کے مذہب کا نام مذہب شیخیہ رکھا تھا لہذا ہر شیعہ پر لازم ہے کہ وہ اس فلسفہ علل اربعہ کی اور علل اربعہ کو دلیل بنا کر ایجاد کئے گئے عقائد کی آئمہ اطہار سے نفی کرے۔ کیونکہ باقی کے تمام نظریات و عقائد اسی علل اربعہ کی فرع اور شاخیں ہیں جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

نمبر 2: آئمہ کی نوع کا جداگانہ ہونا

آئمہ علیہم السلام سے جن صفات کی نفی لازم ہے ان میں سے دوسری صفت آئمہ کی نوع کا جداگانہ ہونا ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ آئمہ اطہار نوع بشر اور نوع انسانی کے افراد نہیں ہیں۔ یہ عقیدہ بھی علل اربع کے فلسفہ کی پیداوار ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ اس فلسفہ کے مطابق پہلے خدا کے اندر سے یعنی "لم یلد ولم یولد" کے اند سے آئمہ کا نور اس طرح نکلا جس طرح سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں پھر آئمہ کے نور میں سے انبیاء کا نور نکلا اسی طرح جس طرح سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں پھر انبیاء کے نور میں سے انسانوں کا نور نکلا اسی طرح جن، فرشتے، حیوانات، نباتات اور جمادات کا نور نکلا۔

اسطرح اس فلسفہ کے ذریعہ شیخ احمد احسائی نے نہ صرف آئمہ علیہم السلام کو انسانوں سے جدا نوع بنایا ہے بلکہ انبیاء کی نوع بھی آئمہ سے جدا قرار پاتی ہے۔ حالانکہ نبوت و رسالت و امامت کسی نوع کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وہ مناصب الٰہیہ ہیں جو وہ صرف انسانوں اور بشر کو عطا کرتا ہے۔

اور خدا کے نزدیک صرف بشر اور انسان ہی اشرف المخلوقات ہے۔ یعنی بشر اور انسان سے افضل مخلوقات میں اور کوئی نہیں ہے۔ اور محمد و آل محمد نوع بشر اور نوع انسانی کے افضل ترین واشرف ترین واکمل ترین افراد ہیں۔ لہذا انکو بھی مافوق البشر کہنا اسے خدا ماننے یا اسے خدائی کاموں کا مبداء قرار دینے کے لئے ہے۔ اور یہ سب شیطان کی کار گزاری ہے کہ اس نے نہ خود آدم کو بشر ہونے کی وجہ سے نبی اور خلیفہ نہ مانا۔ اور نہ ہی آدم کی اولاد کی اکثریت سے کسی کو بشر ہونے کی بنا پر نبی ماننے دیا۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ابلیس نے خدا کے حکم سے آدم کو بشر ہونے کی بنا پر ہی سجدہ نہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ:

"قال لم اکن لا سجد لبشر خلقته من صلصال من حما مسنون"

(پ14 ع3 الحجر)

میں ایسا نہیں ہوں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے کھنکھناتے ہوئے سنے ہوئے گارے سے بنایا ہے۔

گویا ابلیس نے آدم کو بشر ہونے کی بناء پر نبی و ہادی نہیں مانا اور پھر اس نے یہ اعلان کر دیا کہ میں انکی ساری اولاد کو بہکاؤ نگا اور سب کو گمراہ کر کے چھوڑ نگا۔

چنانچہ اس نے آدم کی اولاد کی اکثریت کے دل میں یہی وسوسہ ڈالا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ اس نے نہ خود بشر کو اپنا ہادی اور نبی مانا، اور نہ آدم کی اولاد کی اکثریت کو اسی بنیاد پر اپنا ھادی اور نبی ماننے دیا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ:

"وما منع الناس ان یو منوا اذ جاء ھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث الله بشراً رسولاً" (پ15 ع11 بنی اسرائیل)

اور لوگوں کے پاس جب بھی کوئی ہادی آیا تو ان کو اور کسی چیز نے اسپر ایمان لانے سے نہیں روکا سوائے اس بات کے کہ وہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے

اور جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ وہ بشر نہیں تھے وہ انسان ہی نہیں تھے بلکہ ان کی نوع جدا تھی۔ یعنی انبیاء کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں، انبیاء پر ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں میں یہ بات مشترک ہو گئی کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ اور ان لوگوں نے بشر اور انسان کو کچھ ایسا سمجھ لیا جیسا کہ بشر یا انسان گدھے کتے اور سور سے بھی بدتر کسی مخلوق کا نام ہے

یہ لوگ آئمہ علیہم السلام کو جداگانہ نوع قرار دے کر یعنی انہیں بشریت اور انسانیت سے خارج کرنے کو فضیلت گردانتے ہیں حالانکہ یہ انکی سخت توہین ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت انسان سے افضل واشرف اور کوئی مخلوق ہے ہی نہیں۔

قارئین محترم انبیاء ورسل کو اور آئمہ اطہار کو بشر اور انسان نہ ماننا شیعہ عقیدہ نہیں ہے کیونکہ خدا نے سارے انبیاء نے قرآن نے تمام آئمہ نے اور تمام بزرگ شیعہ علماء نے یہی کہا ہے کہ سارے ہادی خواہ نبی بنا کر بھیجے گئے ہوں یا رسول بنا کر بھیجے گئے ہوں یا امام بنا کر مقرر کیئے گئے ہوں سب کے سب بشر تھے۔ انسان تھے اور مرد تھے ہاں یہ سب کے سب ہادیان خلق اپنے اپنے زمانہ میں سارے جہاں کے لوگوں سے اشرف وافضل تھے۔

لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ خدا جس طرح اپنا منصب نبوت و رسالت ویسے ہی کسی چلتے پھرتے آدمی کو نہیں تھماتا اسی طرح منصب امامت بھی ویسے ہی کسی چلتے پھرتے آدمی کو نہیں تھماتا بلکہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہادی خواہ نبی ہو یا رسول یا امام ہو" ولتصنع علی عینی " کے مطابق خدا کی طرف سے تربیت یافتہ ہوتا ہے اور " واصطنعتک لنفسی " کے مطابق جب خدا اسے تربیت دیکر اپنے کام کا بنالیتا ہے تب اسے ہادی بنا کر بھیجتا ہے۔

یہ احمق اتنا نہیں سوچتے کہ کوئی بھی حکومت اپنا کوئی منصب کسی چلتے پھرتے آدمی کو ویسے ہی نہیں تھماتی تو خدا اپنی حکومت کی نمائندگی اور اپنی طرف سے ہدایت دینے کی ذمہ داری کسی کو ویسے ہی چلتے پھرتے کیسے تھما سکتا ہے۔ اور جب کوئی خدا کی وحی کے زیر سایہ تربیت یافتہ ہو اور جسے خدا نے اپنی نظروں کے سامنے تربیت کیا ہو اور جسے خدا نے تربیت کر کے اپنے کام کا بنالیا ہو اور وہ منصوص من اللہ ہو معصوم عن الخطاء ہو تو پھر اس کے بشر یا انسان ہونے میں کیا خرابی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارے منبروں پر جب تک یہ نہ بیان کیا جائے کہ یہ ہستیاں بشر نہیں تھیں انکی مجلس کامیاب ہی نہیں ہوتی کیونکہ زیادہ داد انہیں ایسی ہی باتوں پر ملتی ہے بہر حال ہر شیعہ اور ہر مسلمان کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ انبیاء کو رسولوں کو اور آئمہ کو بشر اور انسان اور مرد جانے اور ان کی نوع کو بنی نوع انسان سے جدا کہنے کی نفی کرے کیونکہ

جنہوں نے ان ہستیوں کو جداگانہ نوع قرار دیا ہے وہ انہیں یا خدا بنانے کے لئے ہے، یا خدائی کاموں کا مبداء قرار دینے کے لئے ہے اور اس طرح یہ عقیدہ کفر اور شرک کی حد تک پہنچ جاتا ہے

نمبر 3: آئمہ کیلئے عقیدہ تفویض اپنانا

آئمہ علیہم السلام سے جس صفت کی نفی لازم ہے وہ عقیدہ تفویض ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ خداتعالی نے محمد وآل محمد کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ خلق کرنے رزق دینے مارنے اور زندہ کرنے، کائنات کی تدبیر کرنے اور سارے جہاں کا نظام چلانے کا کام محمد و آل محمد کو سپرد کر دیا ہے۔

یہ مذہب اگرچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا اور آئمہ علیہم السلام نے مفوضہ پر لعنت بھیجی ہے۔ اور انہیں مشرک قرار دیا ہے۔ لیکن شیخ احمد احسائی نے تیرہویں صدی ہجری کے شروع میں عقیدہ تفویض کو اپنے جدید خود ساختہ اور من گھڑت فلسفہ کے ذریعہ مستدل کیا اور اس فلسفہ کے ذریعہ محمد و آل محمد کو علل اربعہ قرار دیا اور اس طرح اپنے پیروکاروں میں اس عقیدہ کو پختہ کیا کہ محمد وآل محمد ہی خالق ہیں وہی رازق ہیں وہی زندہ کرنے والے ہیں وہ موت وحیات کے مالک ہیں وہی مدبر کائنات اور سارے جہاں کا نظام چلانے والے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ شیخ کا فلسفہ علل اربعہ غلط ہے جب اسکے نزدیک بھی اولین مادہ خدا کی ذات ہے تو پھر علت فاعلی اور علت مادی خدا بنے گا محمد وآل محمد نہیں بن سکتے یا پھر جیسا کہ مقدس اردبیلی نے لکھا ہے کہ افلاطون یونانی کے نزدیک ہر اوپر کی مخلوق اور اوپر کا طبقہ نچلے طبقہ کا خالق ہے اور ہر نچلا طبقہ اوپر کے طبقہ کی مخلوق ہے، شیخ احمد احسائی کا فلسفہ بھی بالکل اسی سے ملتا جلتا ہے، اسطرح بھی محمد وآل محمد ساری کائنات کی علت فاعلی اور علت مادی نہیں بنتے، بلکہ خدا ساری کائنات کی علت فاعلی اور علت مادی بنتا ہے اور خدا کو علت فاعلی اور علت مادی کہنا وحدت الوجود

کا نظریہ ہے اور کفر ہے۔ بہر حال محمد و آل محمد کو شیخ احمد احسائی نے علل اربعہ کی علت فاعلی اور علت مادی کے فلسفہ کی ایجاد کے ذریعہ خالق و رازق و محی و ممیت، مدبر کائنات اور ساری کائنات کے نظام کا چلانے والا قرار دیا ہے جو غلط ہے اور صحیح شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ خدا ہی خالق ہے وہی رازق ہے وہی زندہ کرنے والا ہے وہی موت دینے والا ہے وہی مدبر کائنات ہے اور وہی سارے عالم کا نظام چلانے والا ہے۔

پس ہر شیعہ کے لئے لازم ہے کہ وہ ان باتوں کی آئمہ سے نفی کرے اور یہ جان لے کہ خدا نے یہ امور نہ بالاستقلال آئمہ علیہم السلام کو سپرد کئے ہیں اور نہ بلا استقلال اور یہ بات اچھی طرح سے جان لیں کہ مجالس عزا میں ہمارے منبروں پر جو واعظ و مقرر ان امور کی آئمہ علیہم السلام کی طرف نسبت دیتا ہے وہ شیخی مبلغ ہے یا وہ شیخیوں کے بہکانے میں آ کر گمراہ شدہ ہے، کیونکہ آئمہ اطہار علیہم السلام نے عقیدہ تفویض رکھنے والے کو، اور محمد و آل محمد علیہم السلام کو خالق و رازق و محی و ممیت اور مدبر کائنات اور سارے جہاں کا نظام چلانے والا کہنے والے کو مشرک قرار دیا ہے۔ لہذا ہر شیعہ پر لازم ہے کہ وہ مجالس عزا جنہیں وہ حصول ثواب کے لئے برپا کرتے ہیں شرک کے پرچار کا ذریعہ نہ بننے دیں۔

نمبر 4: آئمہ علیہم السلام کا عالم الغیب ہونا

انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام سے جس صفت کی نفی لازم ہے وہ ان کو عالم الغیب ماننا ہے۔ یہ عقیدہ بھی شیخ احمد احسائی کے خود ساختہ فلسفہ علل اربع کی پیداوار ہے چونکہ اس فلسفہ کی رو سے خدا کا کوئی فعل ہے نہیں، نہ وہ علم دیتا ہے، نہ وحی کرتا ہے، بلکہ شیخ کے نزدیک جبرئیل آنحضرت کا خیال ہے جو دماغ سے دل کی طرف نازل ہوتا ہے۔ یہ باتیں ہم نے شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں" اور دوسری کتاب نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ اور نوع نبی و امام وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں لہذا وہاں پر رجوع کریں۔

اس میں شک نہیں کہ خداوند تعالٰی اپنے انبیاء و رسل کو جس وقت جتنے علم کی ضرورت ہوتی ہے اتنا علم بذریعہ وحی انہیں عطا کر دیتا تھا۔ اور اس نے سرکار ختمی مرتبت کو بذریعہ وحی اتنا علم دیا کہ کسی اور کو نہیں دیا۔ اور سرکار ختمی مرتبت نے اپنا وہ سارا علم شہر علم نبی کے در تک اسی طرح سے منتقل کر دیا، جیسا کہ خود حضرت علی کا قول ہے کہ "ذقنی رسول للہ ذقا ذقا" پیغمبر اکرم صلعم نے مجھے علم اسی طرح سے بھرایا ہے جس طرح پرندہ اپنے بچے کو چوگا دیتا ہے یعنی بعینہ اسی طرح جس طرح انہیں ملا تھا مجھے عطا کر دیا۔

اور اس بات کو پیغمبرؐ نے اس معروف حدیث میں بیان کیا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

"انا مدینة العلم و علی بابها" میں علم کا شہر ہوں اور علی اسکا دروازہ ہیں

یعنی پیغمبرؐ کو جو کچھ علم دیا گیا تھا وہ علم اب اس دروازے کے واسطے سے ملے گا۔ لیکن حضرت علی نے کبھی عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ کئی مواقع ایسے آئے جب کہ آپ آئندہ کی خبریں دے رہے تھے۔ تو لوگوں نے کہا کہ آپ تو غیب کی خبریں دے رہے ہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ غیب نہیں بلکہ صاحب علم یعنی پیغمبر صلعم نے مجھے اسکو تعلیم کیا ہے،

پس صحیح شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ عالم الغیب صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ اور ھادیان خلق کو جتنے علم کی ضرورت ہوتی تھی وہ خدا وحی کے ذریعہ انہیں عطا کر دیتا تھا۔

لیکن ہمارے منبروں پر من گھڑت دلیلوں سے جب تک محمد و آل محمد کو عالم الغیب ہونا بیان نہ کر لیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انکی مجلس کامیاب ہی نہیں ہوتی۔

نمبر 5: آئمہ علیہم السلام کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا

پانچویں صفت یا پانچواں عقیدہ، جسکی آئمہ علیہم السلام سے نفی لازم ہے وہ ان کے ہر جگہ حاضر و ناضر ہونے کی صفت ہے شیعہ جان لیں کہ خدا کے سوا کوئی بھی شے ایسی نہیں ہے جو جسم نہ رکھتی ہو، اور ہر وہ چیز جو جسم رکھتی ہے وہ جگہ گھیرتی ہے۔ اور ایک زمانہ میں ایک مکان میں

ہوتی ہے اور جب وہ ایک مکان میں ہوتی ہے تو دوسری جگہ نہیں ہوتی یہ صرف خدا کی ذات ہے جو جسم نہیں رکھتی لہذا لازمان اور لامکان ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

یہ عقیدہ بھی شیخ احمد احسائی کے فلسفہ اربعہ کی پیداوار ہے کیونکہ سورج تو پھر بھی اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ لیکن شعاعیں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہوتی ہیں پس اصل حاضر و ناظر تو شعاعیں ہیں۔ یعنی اس فلسفہ کے مطابق چونکہ محمد و آل محمد کا نور خدا کے اندر سے اس طرح نکلا جس طرح سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ پس اس فلسفہ کی رو سے خدا نہیں بلکہ اصل حاضر و ناظر محمد و آل محمد ہوئے۔

لیکن نہ تو محمد و آل محمد خدا کے اندر سے اس طرح نکلے جس طرح سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور نہ ہی وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ پس ہر شیعہ کے لئے لازم ہے کہ وہ اس صفت کی محمد و آل محمد سے نفی کرے اور صرف خدا ہی کو حاضر و ناظر جانے۔

لیکن ہمارے منبروں پر مجالس عزا میں یہی بات شیخی مبلغین یا ان سے گمراہ شدہ مقررین اپنی مجلس کو کامیاب بنانے اور زیادہ سے زیادہ داد لینے کے لئے اپنی من گھڑت دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور خوب داد وصول کرتے ہیں۔

نمبر 6 معجزہ کا فعل نبی و امام ہونا

چھٹی صفت جس کی آئمہ علیہم السلم اور انبیاء و رسل سے نفی لازم ہے وہ معجزہ کو خود انکا اپنا فعل کہنا ہے۔ کیونکہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے جو وہ اپنے نمائندوں کی صداقت کے ثبوت میں سند کے طور پر پیش کرتا ہے۔

یہ عقیدہ بھی علل اربعہ کے فلسفہ کی پیداوار ہے جسے شیخ احمد احسائی نے اپنے دل سے گھڑا ہے۔ چونکہ اس فلسفہ کی رو سے خدا نے تو اور کوئی کام ہی نہیں کیا جب خلق یہ کرتے ہیں رزق یہ دیتے ہیں، زندہ یہ کرتے ہیں موت یہ دیتے ہیں اور ساری کائنات کی تدبیر

کرنے والے اور سارے عالم کا نظام چلانے والے یہی ہیں تو پھر معجزہ کو وہ خدا کا فعل کیسے کہہ سکتے تھے۔ اور اس مسئلہ کو ہم نے اپنی دوسری کتابوں مثل تبصرۃ المعصوم اور ولایت قرآن کی نظر میں اور العقائد الحقیہ وغیرہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہاں پر رجوع کریں مختصر یہ ہے کہ اس فلسفہ کی رو سے معجزہ انکا نوعی اور عادی فعل ہوتا ہے۔ جس طرح حیوان چلتا ہے پھرتا ہے چگتا ہے چرتا ہے پرندے اڑتے ہیں گھونسلہ بناتے ہیں اور جس طرح ہم کھاتے ہیں پیتے ہیں چلتے ہیں پھرتے ہیں اور دوسرے کام کرتے ہیں اور یہ سب ہمارے نوعی افعال ہیں۔

چونکہ شیخ کے اس فلسفہ علل اربعہ نے انکی نوع کو ساری مخلوقات سے جداگانہ نوع قرار دیا ہے۔ لہذا معجزہ شیخ کے اس من گھڑت فلسفہ کی رو سے خود انکا اپنا نوعی اور عادی فعل ہوتا ہے۔ اور اس کو وہ ولایت تکوینی سے تعبیر کرتے ہیں اور پھر انہیں معجزات کو دلیل بنا کر انہیں ولایت مطلقہ الہیہ کا مالک گردانتے ہیں۔ اور ولایت کلیہ مطلقہ الہیہ سے انکی مراد یہ ہے کہ خدا نے کچھ نہیں کیا جو کچھ کیا وہ انہوں نے کیا اور جو کچھ کرتے ہیں وہ یہی کرتے ہیں۔

اور یہی بات ہمارے منبروں پر اپنی تک بندی اور من گھڑت دلیلوں کے ذریعہ فضیلت بنا کر پیش کی جاتی ہے مثلاً موسیٰ نے خشک لکڑی کو زمین پر ڈال کر سانپ بنا دیا۔ اور لوگ اسے فضیلت سمجھ کر خوب داد دیتے ہیں۔

نمبر 7: فرشتوں کی حرکت و سکون بدست آئمہ اہل بیت ہونے کا عقیدہ

آئمہ علیہم السلام سے جس صفت کی نفی لازم ہے وہ یہ عقیدہ ہے کہ فرشتوں کی حرکت و سکون انکے ہاتھ میں ہے اور انکے اذن سے ہوتی ہے۔

یہ عقیدہ بھی مذہب شیخیہ کے اسی فلسفہ علل اربع کی پیداوار ہے۔ کیونکہ اس فلسفہ کی رو سے محمد و آل محمد ہی سارے جہاں کا نظام چلانے والے ہیں۔ لہذا فرشتے انہیں کے حکم سے کام کرتے ہیں۔

اس عقیدے کی اصل بنیاد تو یہی فلسفہ علل اربعہ ہے لیکن آگے مذکورہ صفات و نظریات و عقائد کو شیخی مبلغین یا مذہب شیخیہ سے گمراہ شدہ مقررین اپنی من گھڑت دلیلوں اور خود ساختہ روایتوں سے ثابت کرتے ہیں مثلاً یہاں چنیوٹ میں ایک دفعہ ایک مومن جس کا نام سید فیض عباس تھا کے چالیسویں کی مجلس پڑھنے کے لیے ایک مشہور ذاکر کو بلایا گیا چونکہ ایصال ثواب کی مجلس تھی اور موت کا ذکر تھا لہذا علوی صاحب نے فلسفہ موت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ خدا نے ملک الموت کو حکم دیا کہ فلاں آدمی کی روح قبض کر لے۔ ملک الموت روح قبض کرنے کے لئے چل دیا۔ جب اس آدمی کے پاس پہنچا تو اسے یاد آیا کہ حضرت امیر المومنین سے تو اجازت لی ہی نہیں لہذا وہیں سے واپس پلٹا اور امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا امیر المومنین خدا نے فلاں آدمی کی روح قبض کرنے کا حکم دیا تھا میں آپ سے اجازت لینا بھول گیا آپ کا کیا حکم ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا خبردار اسکی روح قبض نہ کرنا وہ تو ہمارا محب ہے اسے تو ابھی اس وقت تک زندہ رہنا ہے۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بیچ میں بول اٹھا کہ بیڑا غرق تم نے خدا کا کچھ بھی نہیں رہنے دیا۔ بہر حال کیونکہ اس فلسفہ کی رو سے محمد و آل محمد ہی سارے جہاں کا نظام چلاتے ہیں لہذا فرشتے بھی انہیں کے حکم سے کام کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل کو آنے میں اور وحی لانے میں کچھ دیر ہوگئی تو پیغمبر نے ان سے کہا کہ کیا تم اس سے زیادہ جلدی نہیں آسکتے جتنا کہ اب آئے ہو تو جبرئیل نے خدا کے حکم سے جو جواب دیا اسے قرآن نے اسطرح بیان کیا ہے کہ: "وما نتنزل الا بامر ربک"

یعنی اے خدا کے حبیب ہم اپنی مرضی سے نازل نہیں ہوتے بلکہ جب تیرے رب کا حکم ہوتا ہے اس وقت نازل ہوتے۔

لیکن رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا موسیٰ اسکوئی اپنی کتاب احقاق الحق میں لکھتے ہیں کہ: "بھم تحرکت المتحرکات وبھم سکنت السواکن"

(احقاق الحق صفحہ 315 سطر 23,22)

یعنی ہر حرکت کرنے والی چیز آئمہ ہی کے حکم سے حرکت کرتی ہے اور ہر ساکن چیز انہیں کے حکم سے ساکن ہے۔

اور یہ شیخ احمد احسائی کے اس من گھڑت فلسفہ کی بناء پر کہا گیا ہے کیونکہ یہ فلسفہ خدا کے لئے کوئی کام قرار ہی نہیں دیتا۔ جو کچھ کرتے ہیں وہ محمد و آل محمد کرتے ہیں اور اس نظریہ میں جو قباحت ہے اسے ہم نے موسیٰ اسکوئی کی اس بات کے جواب میں اپنی کتاب العقائد الحقیہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے لہذا وہاں رجوع کریں۔

نمبر 8: مسئلہ استمداد

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ

"تعاونو علی البر و التقوی و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان"

تم نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اور گناہ اور کسی پر زیادتی کرنے کے لیے کسی کی مدد نہ کیا کرو۔

پس نیکی کے کاموں میں ہر کوئی مدد طلب کر سکتا ہے اور ہر کسی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ لیکن خدا نے اس آیت میں جن کاموں کے لئے مدد طلب کی جا سکتی ہے وہ بھی بتا دیا اور جن کاموں میں مدد نہیں کرنی ہے وہ بھی بتا دیا۔

لہذا مدد طلب کرنے کے سلسلہ میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ مدد کسی کام کے لئے

طلب کیجا رہی ہے؟ کس سے طلب کیجا رہی ہے؟ اور کیا سمجھ کر مدد طلب کیجا رہی ہے؟ اور کون کون کس نیت سے مدد طلب کرتا ہے؟

تو یہ بات یقین کے ساتھ جان لینی چاہیے کہ مفوضہ کے نزدیک خدا نے محمد و آل محمد کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا۔ جو کچھ کیا اور جو کچھ کرتے ہیں وہ محمد و آل محمد کرتے ہیں خلق وہ کرتے ہیں رزق وہ دیتے ہیں اولاد وہ دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ لہذا مفوضہ کا آئمہ سے کچھ مانگنا اس نسبت کے سوا نہیں ہوسکتا کہ وہ یہ سمجھ کر اور اس یقین کے ساتھ آئمہ سے مانگتے ہیں کہ آئمہ ہی دیتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک استمداد کا اور یا علی مدد کہنے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ وہ انہیں سے مانگتے ہیں اور یہ سمجھ کر مانگتے ہیں کہ یہی دیتے ہیں۔

چونکہ شیخ احمد احسائی نے عقیدہ تفویض کو مستدل کرنے کے لئے ہی علل اربعہ کا من گھڑت فلسفہ ایجاد کیا ہے لہذا وہ استمداد کے بارے میں شرح زیارت میں واضح الفاظ میں لکھتا ہے کہ: فلا یستمد شی من الحق فی صدور او فی بقاء الا بهم و منهم ولهم کما لا یستمدد شئی من اشعة السراج من فعل النار فی صدور او بقاء الا بالشعلة المرئية و منها ولها کذالک هم علیهم السلام"

(شرح زیارت صفحہ 188)

یعنی کوئی چیز اپنے صدور و بقا کے لئے خدا سے امداد حاصل نہیں کر سکتی لیکن انکی علت فاعلی، علت مادی اور علت غائی آئمہ علیہم السلام ہی ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی چیز اپنے وجود یا بقا کے لئے آگ کے فعل سے چراغ کی شعاعوں کے ذریعہ مدد حاصل نہیں کر سکتی لیکن چراغ کے ظاہری شعلہ کے ذریعہ اور اسی طرح آئمہ علیہم السلام ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ خدا سے مدد طلب ہی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی خدا کسی کی خود مدد

کر سکتا ہے جسکی بھی مدد کرتے ہیں وہ آئمہ علیہم السلام کرتے ہیں۔ اور ان سے ہی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ مفوضہ کے نزدیک اور مذہب شیخیہ کے نزدیک خدا کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ جس کی مدد کرتے ہیں وہ آئمہ ہی کرتے ہیں۔ لہذا مفوضہ کا اور شیخیوں کا ان سے مدد طلب کرنا ہر صورت میں اسی معنی میں ہوگا۔ کہ وہ خود ان ہی سے ہر طرح کی مدد مانگ رہے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کی طرف سے استمداد اور مدد طلب کرنا ہرگز ہرگز بطور وسیلہ اور شفاعت کے نہیں سمجھا جاسکتا۔

اسی طرح غالی اور نصیری اور آئمہ علیہم السلام میں حلول کے قائلین اور آئمہ کو خدا ماننے والے دوسرے فرقے علی الخصوص حضرت علی کو خدا ماننے والے جب یا علی مدد کہیں گے تو کیا یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ ان سے وسیلہ اور شفاعت کے طور پر مدد مانگ رہے ہیں؟ کیونکہ ان کے نزدیک تو حضرت علی ہی خدا ہیں۔ لہذا ان سے کسی کے لئے شفاعت کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس غالی یا علی مدد نہیں کہتا مگر انہیں خدا سمجھ کر اور نصیری یا علی مدد نہیں کہتا مگر انہیں خدا سمجھ کر اسی طرح حضرت علی کو خدا ماننے والے دوسرے فرقے یا علی مدد نہیں کہتے مگر خدا سمجھ کر۔

ہمارے فقہا کہتے ہیں کہ اگر کوئی وسیلہ اور شفاعت کی نیت سے یا علی مدد کہتا ہے تو جائز ہے اور یہ عین تشیع ہے اور اگر کوئی انہیں خدا سمجھ کر کہتا ہے یا یہ سمجھ کر کہتا ہے کہ ان کو یہ کام سپرد کردیے گئے ہیں اور یہی دیتے ہیں اور ہر طرح کی مدد یہی کرتے ہیں تو یہ شرک ہے

لیکن وسیلہ اور شفاعت کا معاملہ یا تمام خدائی کام آئمہ کو سپرد کردیے جانے کا معاملہ تو تمام آئمہ کے بارے میں ہے اکیلے حضرت علی کے بارے میں نہیں ہے۔ اور ابتدائی دور کے مفوضہ بھی اکیلے حضرت علی کو تمام کاموں کی سپردگی کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ تو پھر صرف یا علی مدد ہی کیوں؟ کوئی یا محمد مدد کیوں نہیں کہتا؟ کیا وسیلہ اور شفاعت میں

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے بھی بڑھ کر کوئی اور ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور آئمہ اطہار کی تعلیمات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے یا کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ تو پھر اسے اس وقت فطرتاً خدا کے سوا اور کوئی یاد نہیں آ سکتا۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک آیت قرآنی پیش خدمت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

"واذا غشیھم موج کالظلل دعوا اللہ مخلصین لہ الدین (لقمان-32)

جس وقت سمندر کی کوہ پیکر موجیں ان کی کشتی کو ڈھانپ لیتی ہیں تو پھر وہ خدا کو خلوص دل کے ساتھ پکارنے لگ جاتے ہیں۔

اس مضمون کی قرآن میں بکثرت آیات ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مصیبت اور مشکل میں پھنسا ہوا ہر شخص اسی خدا کو پکارے گا جسے وہ خدا مانتا ہے۔ ہندو جو رام چندر جی اور کرشن جی کو رام اور بھگوان مانتے ہیں وہ انکی مورتی کے سامنے کھڑے ہو کر اے رام اور اے بھگوان کہہ کر ان ہی کو پکارتے ہیں۔

اسی طرح نصیری جو حضرت علی کو خدا مانتا ہے ظاہر ہے کہ وہ مصیبت اور مشکل کے وقت جب اپنے خدا کو پکارے گا تو یا علی مدد کہہ کر ہی پکارے گا۔

مفوضہ اور شیخی جو پہلے ہی اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کچھ نہیں کرتا جو کچھ کرتے ہیں وہ یہ حضرات کرتے ہیں لہذا انہوں نے بھی مشکل میں اور مصیبت کے وقت نصیریوں کے یا علی مدد کہنے سے اتفاق کر لیا ہے۔

چونکہ سادہ لوح بے خبر شیعہ عوام اور محبان علی کو مذکورہ گمراہ اور باطل فرقوں اور حضرت علی کو خدا ماننے والوں کی طرف سے مصیبت اور مشکل کے وقت یا علی مدد کہنا اچھا لگا لہذا انہوں نے بھی غیر شعوری طور پر یا علی مدد کہنا شروع کر دیا۔ اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ

نصیری ہوں یا حضرت علی کو خدا ماننے والے دوسرے فرقے، مفوضہ ہوں یا مذہب شیخیہ سے تعلق رکھنے والے ہوں یا سادہ لوح بے خبر شیعہ عوام، یا علی مدد کہنے والوں کی اکثریت یہی سمجھ کر یا علی مدد کہتی ہے کہ حضرت علی ہی مشکل کو حل کرنے والے ہیں۔ اور مصیبت کو ٹالنے والے ہیں۔ اور انھوں نے کبھی قرآن کریم کی اس آیت میں غور نہیں کیا کہ:

"ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو" (یونس-107)

اگر تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ یا کسی مشکل میں پھنس جاؤ تو اس کا خدا کے سوا حل کرنے والا اور کوئی نہیں ہے"

لیکن اب شیعہ عوام میں "یا علی مدد" کہنے کے رواج پا جانے کے بعد یا علی مدد کہنے والوں کے سامنے اگر کوئی یا اللہ مدد کہہ دے تو وہ یہ سمجھتے ہیں جیسا کہ اس نے ان ہونی بات کہہ دی ہے۔ یعنی ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہیں خدا بھی کسی کی مدد کر سکتا ہے؟ مدد تو صرف حضرت علی ہی کرتے ہیں اور کوئی بات خواہ کتنی بھی غلط ہو جب وہ رواج پا جائے اور عوام کے ذہنوں میں رچ بس جائے۔ تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ نے لوگوں کے سامنے عقیدہ توحید بیان کیا تو کفار قریش کو یہ بات بہت ہی عجیب لگی یعنی کہیں ایک خدا بھی ہو سکتا ہے لہذا انہوں نے بڑے تعجب کے ساتھ کہا"

"اجعل الالھۃ الھا واحد" (ص-5)

بہر حال کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے یا علی مدد کہنے کی تحقیق یہی ہے کہ اس بات نے اسی طرح رواج پایا یعنی یہ نصیریوں کی اور آغا خانیوں کی اور حضرت علی کو خدا ماننے والے دوسرے فرقوں کی اور مفوضہ کی اور شیخیوں کی اور صوفیوں کی اور ملنگوں کی ایجاد اور انکا معمول ہے اور سادہ لوح شیعہ عوام کو حضرت علی کی محبت میں انکا اس طرح کہنا اچھا لگا اور انہوں نے بھی حضرت علی کی محبت کی وجہ سے بے خبری میں اسے اپنا لیا۔ کیونکہ شیعوں کی سی

بھی مستند کتاب میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ خدا نے صرف حضرت علی کو اس قسم کی خدمت یا ڈیوٹی سپرد کی ہوئی ہے کہ جب بھی کوئی ملنگ یا علی مدد کہہ کر انہیں پکارے تو وہ فوراً نجف چھوڑ دیں اور دوڑ تے ہوئے جا کر اسکی مدد کیا کریں۔ لیکن ہمارے علمائے حق کو یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ یا علی مدد کہنے کا مطلب ان کے نزدیک کیا ہے۔ ہمارے علمائے حق بھی شیعہ عوام کے لئے یا علی مدد کہنے کی گنجائش پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

چنانچہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا یا علی مدد کہنا جائز ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خدا سمجھ کر کہتا ہے یا وہ تفویض کا قائل ہے اور یہ سمجھ کر کہتا ہے کہ یہی دیتے ہیں تو ناجائز ہے اور شرک ہے لیکن اگر وسیلہ شفاعت کی نسبت سے کہتا ہے تو جائز ہے۔

جو شخص یہ جانتا ہے کہ عرب میں بت پرستی کا رواج کسی طرح ہوا وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ان سے اپنی حاجتیں کیا سمجھ کر مانگتے تھے۔ کیونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہی دیتے ہیں یہی بارش برساتے ہیں۔ یہی اولاد دیتے ہیں یہی رزق دیتے ہیں۔

لیکن جب پیغمبر گرامی اسلامؐ نے انہیں اس بات سے منع کیا تو انہوں نے جو جواب دیا اسے خدا نے قرآن میں یوں نقل فرمایا ہے۔

"ویقولون ھولاء شفاونا عند اللہ" (یونس-18)

اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بت خدا کے یہاں ہماری شفارش کرینگے۔

لیکن خدا اس آیت کے آخر میں انکے یہ کہنے کے باوجود کہ یہ خدا کے یہاں ہماری شفارش کرنے والے ہیں انہیں مشرک قرار دیتا ہے کیونکہ وہ ان سے اپنی حاجتیں اس لئے طلب نہیں کرتے تھے کہ یہ ہماری شفارش کر کے ہمیں اولاد دلوا دینگے یا یہ شفارش کر کے ہمیں رزق دلوا دینگے بلکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا نے انکو اس بات کی قدرت دیدی ہے اور یہ کام ان کے سپرد کر دیے ہیں۔ اور یہ چیزیں یہی دیتے ہیں۔ لہذا انکا یہ کہنا کہ یہ خدا کے یہاں

ہماری شفارش کرینگے خدا کے یہاں نا قابل قبول ٹھہرا۔

اسی طرح غالیوں کے نصیریوں کے مفوضہ کے صوفیوں کے شیخیوں کے اور ملنگوں کے یا علی مدد کہنے کو جو وہ یا تو خدا سمجھ کر کہتے ہیں یا یہ سمجھ کر کہتے ہیں کہ خدا نے انہیں یہ کام سپرد کر دیئے اور اب یہ کام یہی انجام دیتے ہیں۔ سادہ لوح شیعہ عوام میں بھی رواج پا جانے کے بعد شفاعت کا لقمہ دیکر اس کے کہنے کا جواز پیدا کرنے کی ترکیبیں نکالی جا رہی ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اسطرح کہنے کو عین تشیع قرار دیا جانے لگا ہے۔ جو غالیوں، نصیریوں، صوفیوں، اور شیخیوں کی ایجاد ہونیکی بناء پر کسی طرح بھی خدا کے یہاں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

بعض شیعیان علی جو اس بات کی قباحت کو سمجھ گئے ہیں وہ یہ کہنے لگے ہیں کہ ہم تو وسیلہ کے طور پر یا علی مدد کہتے ہیں اور ان کے واسطے سے مانگتے ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اپنے مطلب کو ادا کرنے کے لئے جو الفاظ ادا ہوتے ہیں انہیں کے مطابق مطلب سمجھا جاتا ہے لہذا اگر وہ ان سے شفاعت کی درخواست کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ دو حرف مزید زبان سے ادا کرنے میں اختصار سے کام نہ لیں اور یہ دو حرف مزید ادا کر کے اپنی نیت کا اظہار ضرور کریں اور یوں کہیں کہ یا رسول اللہ میں خطا کار ہوں گناہ گار ہوں نادم ہوں پشیمان ہوں۔ میں خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں آپ بارگاہ خداوندی میں میرے لئے شفاعت فرمائیں۔ اسی طرح اولاد کی رزق کی یا دوسری حاجات کے لئے شفاعت کی درخواست کریں اور آئمہ اطہار میں سے بھی جس سے چاہیں اسی طرح شفاعت کی درخواست کریں۔ لیکن جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کے وسیلہ اور واسطہ سے مانگتے ہیں۔ انہیں شاید وسیلہ اور واسطے کے معنی کا علم نہیں ہے لہذا ہم اس سے آگے وسیلہ اور واسطہ کے معنی کی تحقیق اپنے قارئین کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے ہیں

وسیلہ اور واسطہ کے معنی کی تحقیق

کوئی بھی سمجھ دار اور معقول آدمی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ غالی ہوں، یا
نصیری یا حضرت علی کو خدا ماننے والے دوسرے فرقے جب وہ یا علی مدد کہتے ہیں تو وہ فی
الحقیقت اپنے خدا سے مدد مانگتے ہیں یعنی اس سے مدد مانگتے ہیں جسے وہ خدا مانتے ہیں خدا
کہتے ہیں اور خدا سمجھتے ہیں۔ اور مفوضہ اور شیخیہ بھی جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے انکو پیدا
کر کے اور کوئی کام نہیں کیا جو کچھ کیا انہوں نے کیا اور جو کچھ کرتے ہیں وہ یہی کرتے ہیں اور
شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت میں صفحہ نمبر 188 پر یہ لکھنے کے بعد کہ کوئی بھی شخص خدا سے
مدد حاصل نہیں کر سکتا جس کی بھی مدد کرتے ہیں وہ یہی کرتے ہیں۔ مفوضہ و شیخیہ کا یا علی مدد
کہنا سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ وہ یہ سمجھ کر یا علی مدد کہتے ہیں کہ ہر کام میں یہی مدد کرتے
ہیں لہذا اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ غالیوں نصیریوں، مفوضہ، صوفیوں اور
شیخیوں کے یا علی مدد کہنے کو طلب شفاعت کے معنی میں نہیں سمجھا جا سکتا۔

البتہ بے خبر سادہ لوح شیعہ عوام نے جب غالیوں، نصیریوں، مفوضہ، شیخیوں اور
صوفیوں کی زبان سے یا علی مدد کے نعرے سنے اور ہر بات پر انہیں یا علی مدد کہتے ہوئے سنا تو
بے خبر سادہ لوح شیعہ عوام کو ان کا یا علی مدد کہنا بہت اچھا لگا اور انہیں بہت ہی پسند آیا۔ اور
حضرت علی سے ان کی محبت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شیطان نے بھی ان کی نظروں میں اسے
زینت دی لہذا انہوں نے بھی یا علی مدد کہنے کو اپنا معمول بنا لیا۔

علماء حق جانتے ہیں کہ غالی اور نصیری اور مفوضہ و شیخیہ یا علی مدد کیا سمجھ کر کہتے
ہیں اور کس نیت سے کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جب بے خبر شیعہ عوام میں بھی بے شعوری طور پر اس
کا رواج ہو گیا اور انہوں نے اس کو اپنا معمول بنا لیا تو اس کو روکنا ان کے بس کی بات نہ رہی
لہذا وہ یہ کہہ دینے لگے کہ اگر کوئی انہیں خدا سمجھ کر یا علی مدد کہتا ہے تو شرک ہے اور اگر

شفاعت کی نیت سے کہتا ہے تو درست ہے اسی طرح وہ شیعہ عوام جو اس بات کی قباحت کو
سمجھ گئے ہیں وہ یہ کہنے لگے ہیں کہ ہم تو ان کے وسیلہ اور واسطہ سے مانگتے ہیں شفاعت کے
بارے میں تو ہم آگے تفصیل سے لکھیں گے۔ یہاں پر ہم وسیلہ اور واسطہ کے معنی کی تحقیق
پیش کرتے ہیں

وسیلہ کا مطلب کیا ہے

راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں (و س ل) کے مادہ کے تحت الوسیلۃ
کے معنی اس طرح لکھے ہیں:

الوسیلۃ کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔ "وابتغوا الیہ الوسیلہ
(۵۔۳۵) اور اس کے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرو

اس کے بعد لکھتے ہیں: در حقیقت توسل الی اللہ علم و عبادت اور مکارم شریعت کی بجا آوری
سے طریق الہی کی محافظت کرنے کا نام ہے اور یہی معنی تقرب الی اللہ کے ہیں اور امیر
المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام جن سے بڑھ کر پیغمبر کے بعد اور کوئی حقیقتوں سے
پردہ اٹھانے والا نہیں اور کوئی دوسرا ان سے بہتر راہ ہدایت دکھانے والا نہیں وہ نہج البلاغہ کے
خطبہ نمبر 108 میں وسیلہ کے بارے میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں

"ان افضل ما توسل بہ المتوسلون الی اللہ سبحانہ و تعالی
الایمان بہ و برسولہ و الجھاد فی سبیلہ فانہ ذروۃ الاسلام و کلمۃ
الاخلاص فانھا الفطرۃ و اقام الصلوۃ فانھا الملۃ و ایتاء الزکوۃ فانھا
فریضہ واجبۃ و صوم شھر رمضان فانہ جنۃ من العقاب و حج البیت و
اعتمارہ فانھما ینفیان الفقر و یرحضان الذنب ۔الخ

ہم پورے خطبہ کا ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کے ترجمہ سے پیش کرتے ہیں جو اس طرح ہے۔

"اللہ کی طرف سے وسیلہ ڈھونڈنے والوں کے لیے بہترین وسیلہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے کہ وہ اسلام کی سربلند چوٹی ہے۔ اور کلمہ توحید کہ وہ فطرت کی آواز ہے اور نماز کی پابندی کہ وہ عین دین ہے اور زکوۃ ادا کرنا کہ وہ فرض اور واجب ہے۔ اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا کہ وہ عذاب کی سپر ہے۔ اور خانہ کعبہ کا حج اور عمرہ بجالانا کہ وہ فقر کے دور کرتے اور گناہوں کو دھو دیتے ہیں اور عزیزوں سے حسن سلوک کرنا کہ وہ مال کی فراوانی اور عمر کی درازی کا سبب ہے اور مخفی طور پر خیرات کرنا کہ وہ گناہوں کا کفارہ ہے اور کھلم کھلا خیرات کرنا کہ وہ ذلت اور رسوائی کے مواقع سے بچاتا ہے اللہ کے ذکر میں بڑھے چلو۔ اس لیے کہ وہ بہترین ذکر ہے اور اس چیز کے خواہش مند ہو کہ جس کا اللہ نے پرہیز گاروں سے وعدہ کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کا وعدہ سب وعدوں سے زیادہ سچا ہے۔ نبی کی سیرت کی پیروی کرو کہ وہ بہترین سیرت ہے اور ان کی سنت پر چلو کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے۔ اور قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے۔ اور اس میں غور وفکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے۔ اور اس کے نور سے شفاء حاصل کرو کہ سینوں کے اندر چھپی ہوئی بیماریوں کیلئے شفا ہے اور اس کی خوبی کے ساتھ تلاوت کرو کہ اس کے واقعات سب واقعات سے زیادہ فائدہ رساں ہیں۔ وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس سرگرداں جاہل کی مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں آتا۔ بلکہ اس پر اللہ کی حجت زیادہ ہے اور حسرت اور افسوس اس کے لیے لازم و ضروری ہے اور اللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل ملامت ہے

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر 108 صفحہ نمبر 298-299)

(ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ)

لغت اور امیر المومنین کے اس خطبہ سے ثابت ہوا کہ وسیلہ کے معنی اللہ کے تقرب حاصل کرنے کے لیے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان چیزوں پر صحیح ایمان اختیار کرنا اور اعمال صالحہ بجالانا وہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں جن کے ذریعہ انسان خدا کا تقرب حاصل کرسکتا ہے اور نجات کا حقدار بن سکتا ہے پس انسان کو چاہیے کہ جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان پر صحیح صحیح ایمان لائے اور جن باتوں کا خدا نے حکم دیا ہے ان پر عمل کرے اور جن باتوں سے اس نے روکا ہے ان سے رک جائے اصل وسیلہ یہی ہے جہاں تک واسطہ کی بات ہے تو وہ وسیلہ سے الگ اور جدا بات ہے ہم لفظ واسطے کے معنی کی تحقیق ذیل میں لغت سے پیش کررہے ہیں۔

واسطہ سے کیا مراد؟

راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں (وس ط) مادہ کے تحت اس طرح سے لکھا ہے۔ وسط الشی، ہر چیز کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے اس کے دونوں اطراف فاصلہ مساوی ہو۔

اور فرہنگ عمید میں اسطرح لکھا ہے۔

وسط / میانہ، میان چیزی، یعنی درمیان کی چیز

واسط میانجی۔ آنچہ کہ درمیان واقع شود، کس کہ میانجی برائے انجام یافتن کاری بشود، بمعنی علت وسبب نیز چیزی گویند۔

یعنی درمیان میں، وہ چیز جو درمیان میں واقع ہو۔ وہ شخص جو کسی کام کے انجام دینے میں درمیان میں واقع ہو۔ علت اور سبب کے معنی میں بھی کہتے ہیں واسطے کے معنی

لغت سے بیان کرنے کے بعد یہ حقیر عرض کرتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور محمدؐ و آل محمدؐ بلکہ تمام انبیاء و رسل اور تمام ہادیان دین اور آئمہ طاہرین خدا اور اس کے بندوں کے درمیان خدا کے احکام پہنچانے اور انہیں خدا کی طرف سے ہدایت کرنے میں بلا شک وشبہ اور یقینی طور پر واسطہ ہیں۔ خدا نے اپنے احکام انبیاء و رسل کے واسطہ سے وحی کے ذریعہ اپنے بندوں تک پہنچائے ہیں۔ اور اس کے بندوں تک ہدایت انبیاء و رسل اور آئمہ ھدیٰ کے واسطہ سے ہی پہنچی ہے۔ پس بلا شک وشبہ تمام انبیاء و رسل اور تمام آئمہ ھدیٰ خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے خدا کے اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں لیکن خلق کرنے رزق دینے، مارنے، جلانے، اور نظام کائنات چلانے کے لئے ان کو واسطہ سمجھنا قطعی غلط اور باطل ہے۔ نہ خدا نے انہیں خلق کرنے لے لئے واسطہ بنایا ہے، نہ انہیں رزق دینے کے لئے واسطہ بنایا ہے۔ نہ موت و حیات کیلئے واسطہ بنایا ہے۔ اور نہ انہیں نظام کائنات چلانے کے لئے واسطہ بنایا ہے۔

بیشک خدا مسبب الاسباب ہے وہ ان کاموں کے لئے جو سبب چاہے پیدا کرتا ہے اسی لئے وہ انکی نسبت خود اپنی طرف ہی دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے۔

"وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها ویعلم مستقرها و مستودعها کل فی کتاب مبین" (ھود-6)

اور زمین پر چلنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جس کی روزی خدا کے ذمہ نہ ہو اور خدا ان کے ٹھکانے اور (مرنے کے بعد) سونپے جانے کی جگہ (قبر) کو بھی جانتا ہے (فرمان ترجمہ)

"الله الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم هل من شرکاء کم من یفعل من ذالکم من شی سبحانه وتعالی عما یشرکون" (الروم-40)

خدا (وہ قادر و توانا) ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے روزی دی پھر وہی تم کو مار ڈالے گا

پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کریگا بھلا تمہارے بنائے ہوئے (خدا کے شریکوں) میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے جسے وہ لوگ اسکا شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے (فرمان ترجمہ)

قرآن کریم کی اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے خلق کرنے، رزق دینے وغیرہ امور یعنی نظام کائنات چلانے کو اپنے لئے مخصوص کیا ہے۔ اور کسی دوسرے کی طرف ان کاموں کی نسبت کو اس نے شرک سے تعبیر کیا ہے"

وسیلہ اور واسطہ کے معنی ومفہوم کی اس تحقیق کو جان لینے کے بعد ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یا علی مدد کہنا نہ تو وسیلہ کے معنی میں ہو سکتا ہے اور نہ ہی واسطہ کے معنی میں کیونکہ وسیلہ کے معنی، خدا سے تقرب حاصل کرنے کے لئے، ان باتوں پر ایمان لانا، اور وہ اعمال بجالانا ہے۔ جس سے خدا کا تقرب حاصل ہو سکے، اور اس کی تفصیل امیر المومنینؑ نے اپنے خطبہ میں بیان کردی ہے جہاں تک واسطہ کا تعلق ہے تو نظام کائنات چلانے کے معنی میں یا علی مدد کہنا اس لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ نے انبیاء و رسل اور تمام آئمہ ھدیٰ کو نظام کائنات چلانے کے لئے واسطہ نہیں بنایا۔ البتہ وہ خدا کے احکام پہنچانے اور لوگوں کو ہدایت کرنے میں واسطہ ضرور ہیں۔ اور وہ اپنا یہ فرض ادا کر گئے ہیں۔ اور ہمیں بتلا کر گئے ہیں کہ خدا سے طلب حاجات کس طرح کرنی چاہیے اور اس مسئلہ میں قرآن کریم نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

لہذا ہدایت کے حصول کے لئے ان کے واسطہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر صحیح صحیح ایمان لایا جائے اور ان کے احکام انکے فرمودات ان کے ارشادات اور انکی ہدایات کی پیروی اور اطاعت کیجائے۔

جہاں تک خدا سے طلب حاجات کے لئے دعا کرنے کا تعلق ہے تو دعا کے

بارے میں خدا کا ارشاد ہے کہ: ''وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین (المومن-60)

اور تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری (دعا) کو قبول کرونگا جو لوگ ہماری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ہی ذلیل و خوار ہو کر یقیناً جہنم داخل ہونگے'' (فرمان ترجمہ)

اس آیت میں خدا نے اپنے سے طلب حاجات کے لئے دعا کرنے کو عبادت قرار دیا ہے۔ اور اس سے طلب حاجات کے لئے دعا نہ کرنے والوں کو اس نے اپنی عبادت سے استکبار کرنے والے کہا ہے اور انہیں جہنم کا مستحق گردانتا ہے۔

اور سورۃ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

''واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبو الی ولیومنوا بی لعلھم یرشدون'' (البقرہ-186)

اے رسول جب میرے بندے میرا حال تم سے پوچھیں تو کہہ دے کہ میں ان کے پاس ہوں اور جب مجھ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو میں ہر دعا کرنے والے کی دعا (سن لیتا ہوں اور جو مناسب ہو تو) قبول کرتا ہوں، پس انہیں چاہیے کہ میرا ہی کہنا مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ سیدھی راہ پر آجائیں، (فرمان ترجمہ)

اور امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ کاملہ کی ساتویں دعا میں ارشاد فرماتے ہیں

''یامن تحل بہ عقد المکارہ و یامن یفثا بہ حد الشدآئد و یامن یلتمس منہ المخرج الی روح الفرج ذلت بقدرتک الصعاب و تسببت بلطفک الاسباب وجری بقدرتک القضاء ومضت علی ارادتک الاشیاء فھی بمشیتک دون قولک موتمرۃ وبارادتک دون نھیک

منزجرۃ انت المدعو للمھمات و انت المفزع فی الملمات لا یندفع منھا الا ما دفعت ولا ینکشف منھا الا ما کشفت الخ صحیفہ کاملہ دعائہ فی المھمات

ترجمہ: اے وہ جس کے ذریعہ مصیبتوں کے بندھن کھل جاتے ہیں، اے وہ جس کے باعث سختیوں کی باڑھ کند ہو جاتی ہے، اے وہ جس سے (تنگی و دشواری سے) وسعت و فراخی کی آسائش کی طرف نکال لے جانے کی التجا کی جاتی ہے۔ تو وہ ہے کے تیری قدرت کے آگے دشواریاں آسان ہو گئیں۔ تیرے لطف سے سلسلہ اسباب برقرار رہا اور تیری قدرت قضا کا نفاذ ہوا اور تمام چیزیں تیرے ارادے کے رخ پر گامزن ہیں۔ وہ بن کہے تیرے مشیت کی پابند اور بن روکے خود ہی تیرے ارادے سے رکی ہوئی ہیں۔ مشکلات میں تجھے ہی پکارا جاتا ہے اور بلیات میں تو ہی جائے پناہ ہے ان میں سے کوئی مصیبت ٹل نہیں سکتی مگر جسے تو ٹال دے۔ اور کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی مگر جسے تو حل کر دے الخ

(ترجمہ صحیفہ کاملہ دعا نمبر 7 صفحہ نمبر 138)

اور دعا نمبر 13 میں امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

اللھم یا منتھی مطلب الحاجات و یامن عندہ نیل الطلبات و یامن لا یبیع نعمہ بالاثمان ویامن لا یکدر عطایاہ بالامتنان ویامن یستغنی بہ ولا یستغنی عنہ و یامن یرغب الیہ لا یرغب عنہ و یامن لا تفنی خذائنہ المسائل و یامن لا تبدل حکمہ الوسائل و یامن لا تنقطع عنہ حوائج المحتاجین و یامن لا یعنیہ دعا الداعین تمدحت بالغناعن خلقک و انت اھل الغنی عنھم و نسبتھم الی الفقروھم اھل الفقر الیک فمن حاول سد خلتہ من عندک ولام صرف الفقر عن نفسہ بک فقد طلب حاجتہ فی

مظانها واتی طلبته من وجهها ومن توجه بحاجته الی احد من خلقک او جعله سبب نجحها دونک فقد تعرض للحرمان و استحق من عندک فوت الاحسان. اللهم ولی الیک حاجة قد قصر عنها جهدی وتقطعت دونها حیلی و سولت لی نفسی رفعها الی من یرفع حوائجه الیک ولا یستغنی فی طلباته عنک وهی زلة من زلل الخاطئین و عثرة من عثرات المذنبین ثم انتبهت بتذکیرک لی من غفلتی و نحضت بتوفیقک من زلتی و رجعت و نکصت بتشدیدک عمن عثرتی وقلت سبحان ربی کیف یسئل محتاج محتاجاً والی یرغب معدم، الخ

اے معبود: اے وہ جو طلب حاجات کی منزل منتہا ہے، اے وہ جس کے یہاں مرادوں تک رسائی ہوتی ہے، اے وہ جو اپنی نعمتیں قیمتوں کے عوض فروخت نہیں کرتا، اے وہ جو اپنے عطیوں کو احسان جتا کر مکدر نہیں کرتا، اے وہ جس کے ذریعہ بے نیازی حاصل ہوتی ہے اور جس سے بے نیاز نہیں رہا جا سکتا۔ اے وہ جس کی خواہش و رغبت کی جاتی ہے اور جس سے منہ موڑا نہیں جا سکتا، اے وہ جس کے خزانے طلب و سوال سے ختم نہیں ہوتے اور جس کی حکمت و مصلحت کو وسائل و اسباب کے ذریعہ تبدیل نہیں کیا جا سکتا، اے وہ جس سے حاجتمندوں کا رشتہ احتیاج قطع نہیں ہوتا اور جسے پکارنے والوں کو صدا اکتا و ملول نہیں کرتی، تو نے خلق سے بے نیاز ہونے کا مظاہرہ کیا اور تو یقیناً ان سے بے نیاز ہے۔ اور تو نے ان کی طرف فقر و احتیاج کی نسبت دی ہے۔ اور وہ بے شک تیرے محتاج ہیں۔

لہذا جس نے اپنے افلاس کے رفع کرنے کے لیے تیرا ارادہ کیا اور اپنی احتیاج کے دور کرنے کے لیے تیرا قصد کیا اس نے اپنی حاجت کو اس کے محل و مقام سے طلب کیا اور اپنے مقصد تک پہنچنے کا صحیح راستہ اختیار کیا۔ اور جو اپنی حاجت کو لے

کر مخلوقات میں سے کسی ایک کی طرف متوجہ ہوا یا تیرے علاوہ دوسرے کو اپنی حاجت براری کا ذریعہ قرار دیا وہ حرماں نصیبی سے دوچار اور تیرے احسان سے محرومی کا سزاوار ہوا۔

بارالہا میری تجھ سے ایک حاجت ہے۔ جسے پورا کرنے سے میری طاقت جواب دے چکی ہے اور میری تدبیر اور چارہ جوئی بھی ناکام ہو کر رہ گئی ہے اور میرے نفس نے مجھے یہ بات خوشنما صورت میں دکھائی کہ میں اپنی حاجت کو اس کے سامنے پیش کروں جو خود اپنی حاجتیں تیرے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اپنے مقاصد میں تجھ سے بے نیاز نہیں۔ یہ سراسر خطا کاروں کی خطاؤں میں سے ایک خطا اور گنہگاروں کی لغزشوں میں سے ایک لغزش تھی لیکن تیرے یاد دلانے سے میں غفلت سے ہوشیار ہوا۔ اور تیری توفیق نے سہارا دیا تو ٹھوکر کھانے سے سنبھل گیا۔ اور تیری رہنمائی کی بدولت اس غلط اقدام سے باز آیا اور واپس پلٹ آیا اور میں نے کہا واہ سبحان اللہ کس طرح ایک محتاج دوسرے محتاج سے سوال کر سکتا ہے اور کہاں ایک نادار دوسرے نادار سے رجوع کر سکتا ہے

(صحیفہ کاملہ دعا نمبر 13 فی الطلب الحوائج

صفحہ نمبر 165-166 ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ)

اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ جلد سوم وصیت نمبر 31 میں اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں:

اخلصوا فی المسئلة لربک فان بیده العطاء و الحرمان و اکثر الاستخارة

"صرف اپنے پروردگار سے سوال کرو کیونکہ دینا اور نہ دینا بس اسی کے اختیار میں ہے زیادہ سے زیادہ اپنے اللہ سے بھلائی کے طالب ہو"

نہج البلاغہ جلد سوم وصیت نمبر 31

صفحہ نمبر 665 ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ)

پھراس نے آگے چل کرارشادفرماتے ہیں

" واعلم ان الذی بیدہ خزائن السموات والارض قد اذن لک فی الدعاء وتکفل لک بالاجابة وامرک ان تسئاله لیعطیک و تسترحمه لیرحمک ولم یجعل بینک و بینه من یحجبه عنک ولم یلجئک الی من یشفع لک الیه " الخ

یقین رکھو کہ جس کے قبضہ قدرت میں آسمان وزمین کے خزائن ہیں اس نے تمہیں سوال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تم مانگو تا کہ وہ دے۔ رحم کی درخواست کروتا کہ وہ رحم کرے۔

اس نے اپنے اور تمہارے درمیان دربان کھڑے نہیں کئے جو تمہیں روکتے ہوں، نہ تمہیں اس پر مجبور کیا ہے کہ تم کسی کو اس کے یہاں سفارش کے لئے لاؤ تب ہی کام ہو۔

اور تم نے گناہ کئے ہوں تو اس نے تمہارے لئے توبہ کی گنجائش ختم نہیں کی ہے۔ نہ سزا دینے کی جلدی کی ہے۔ اور نہ توبہ و عنابت کے بعد وہ کبھی طعنہ دیتا ہے۔ (کہ تم نے پہلے یہ کیا تھا یہ کہا تھا، نہ ایسے موقعوں پر اس نے تمہیں رسوا کیا کہ جہاں تمہیں رسوا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اور نہ اس نے توبہ کے قبول کرنے میں کڑی شرطیں لگا کر تمہارے ساتھ سخت گیری کی ہے نہ گناہ کے بارے میں تم سے سختی کے ساتھ جرح کرتا ہے اور نہ اپنی رحمت سے مایوس کرتا ہے۔ بلکہ اس نے گناہ سے کنارہ کشی کو بھی ایک نیکی قرار دیا ہے اور برائی ایک ہو تو اسے ایک برائی اور نیکی ایک ہو تو اسے دس نیکیوں کے برابر ٹھہراتا ہے۔ اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ جب بھی اسے پکارو وہ تمہاری سنتا ہے اور جب بھی راز و نیاز کرتے ہوئے

اس سے کچھ کہو وہ جان لیتا ہے۔ تم اسی سے مرادیں مانگتے ہو اور اسی کے سامنے دل کے بھید کھولتے ہو۔ اس سے اپنے دکھ درد کا رونا روتے ہو اور مصیبتوں سے نکالنے کی التجا کرتے ہو اور اپنے کاموں میں مدد مانگتے ہو۔ اور اس کی رحمت کے خزانوں میں وہ چیزیں طلب کرتے ہو جن کے دینے پر اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے عمروں میں درازی۔ جسمانی صحت وتوانائی اور رزق میں وسعت، اور اس پر اس نے تمہارے ہاتھ میں اپنے خزانوں کے کھولنے والی کنجیاں دے دی ہیں۔ اس طرح کہ تمہیں اپنی بارگاہ میں سوال کا طریقہ بتایا۔ اسی طرح جب تم چاہو دعا کے ذریعہ اس کی نعمت کے دروازوں کو کھلوا لو۔ اس کی رحمت کے جھالوں کو برسا لو۔

ہاں بعض اوقات قبولیت میں دیر ہو تو اس سے ناامید نہ ہو۔ اس لئے کہ عطیہ نیت کے مطابق ہوتا ہے اور اکثر قبولیت میں اس لئے دیر کی جاتی ہے کہ سائل کے اجر میں اور اضافہ ہو اور امیدوار کو عطیے اور زیادہ ملیں۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تم ایک چیز مانگتے ہو اور وہ حاصل نہیں ہوتی مگر دنیا یا آخرت میں اس سے بہتر چیز تمہیں مل جاتی ہے یا تمہارے کسی بہتر مفاد کے پیش نظر تمہیں اس سے محروم کر دیا جاتا ہے اس لئے تم کبھی ایسی چیزیں بھی طلب کر لیتے ہو کہ اگر تمہیں دیدی جائیں تو تمہارا دین تباہ ہو جائے۔ لہذا ایسی تمہیں وہ چیز طلب کرنا چاہیے جس کا جمال پائیدار ہو اور جس کا وبال تمہارے سر نہ پڑنے والا ہو۔ رہا دنیا کا مال نہ یہ تمہارے لیے رہے گا اور نہ تم اس کے لیے رہو گے۔

نہج البلاغہ جلد سوم وصیت نمبر 31

صفحہ 673,673 ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ

امیر المومنین علیہ السلام اس سے پہلے اس وصیت کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ای بنی انا لما رایتنی قد بلغت سنا و رایتنی ازداد و هناً بادرت بوصیتی الیک و اوردت خصالا منها قبل ان یعجل فی اجلی دون ان افضی الیک بما فی نفسی و ان انقص فی رای کما نقصت فیجسم."

"یعنی اے فرزند جب میں نے دیکھا کہ کافی عمر تک پہنچ چکا ہوں اور دن بدن ضعف بڑھتا جا رہا ہے تو میں نے وصیت کرنے میں جلدی کی اور اس میں کچھ مضامین درج کئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت میرے طرف سبقت کر جائے اور دل کی بات دل ہی میں رہ جائے یا بدن کی طرح عقل و رائے بھی کمزور پڑ جائے

(نہج البلاغہ جلد سوم وصیت نمبر 31 صفحہ 665

(ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب)

ان دعاؤں اور خطبوں میں شیعوں کیلئے سبق ہے لیکن اکثر شیعوں نے اپنے آئمہ کے ان قیمتی ارشادات کو قطعی طور پر بھلا دیا ہے۔ بہر حال اب تک کے بیان سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ امیر المومنین اپنی زندگی میں ہدایت کے عنوان سے لوگوں کی جو مدد فرماتے تھے وہ تو فرماتے ہی تھے۔ لیکن اپنی شہادت کے بعد کے لئے بھی اس وصیت اپنے خطبوں اور کلمات قصار کے ذریعہ۔ لوگوں کو جس مدد کی ضرورت تھی وہ بھی فرما گئے ہیں۔ اور بنی نوع انسان کے لئے امیر المومنین کی اس وصیت، ان خطبوں اور کلمات قصار میں ہر قسم کی مدد کا سامان موجود ہے۔

اگر کسی کو حضرت علی علیہ السلام کی مدد کی ضرورت ہے تو وہ ان کے خطبوں کو پڑھے انکی مذکورہ وصیت پر غور کرے اور انکے کلمات قصار کو اپنا لائحہ عمل بنائے۔ یہی حضرت علی کی طرف سے بنی نوع انسان کی ہمعہ کے لئے حقیقی مدد ہے۔

لیکن نصیریوں نے غالیوں نے، حضرت علی کو خدا ماننے والوں نے، مفوضہ نے، شیخیوں نے، صوفیوں نے، اور ملنگوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق "یا علی مدد" کی صورت میں جس بات کو رواج دیا ہے اسکے ذریعہ کوئی بھی حضرت علی علیہ السلام کی مدد حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی نصیریوں غالیوں، حضرت علی کا خدا ماننے والوں، مفوضہ، شیخیوں، صوفیوں اور ملنگوں کے رواج دادہ یا علی مدد کہنے کو وسیلہ یا واسطہ یا شفاعت کے معنی میں سمجھا جا سکتا

ہے۔ ان لوگوں کی طرف سے "یا علی مدد" کو رواج دینے کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے سلام یعنی السلام علیکم" کے بجائے بھی یا علی مدد کو ہی رواج دیدیا ہے۔ کیا یہاں بھی کسی وسیلہ یا واسطہ یا شفاعت کی بات تھی۔ خدا غریق رحمت کرے سرکار علامہ گلاب شاہ صاحب مرحوم کو جنہوں نے اس بدعت کا اپنی حیات میں مردانہ وار مقابلہ کیا اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں کافی حد تک کمی آ گئی ہے۔

یہ بیان تو مصیبت سے نجات یا طلب حاجات کے بارے میں استمداد کے لئے تھا اب ہم شفاعت کے بیان کی طرف آتے ہیں۔

شفاعت کا بیان

راغب اصفہانی مفردات القران میں شفاعت کے لغوی معنی اس طرح سے لکھتے ہیں" الشفاعۃ" کے معنی دوسرے کے ساتھ اسکی مدد یا شفارش کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں۔ عام طور پر کسی بڑے باعزت آدمی کا اپنے سے کم تر کے ساتھ اس کی مدد کے لئے شامل ہو جانے پر بولا جاتا ہے۔ قیامت کے روز شفاعت بھی اسی قبیل سے ہوگی۔

اور تفسیر التبیان میں شفیع کے معنی اس طرح لکھتے ہیں:

"یدبرا لامر مامن شفیع "(یونس-3)

"وقوله "ما من شفیع الا من بعد اذنه" فالشفیع هو السائل فی غیره لاسقاط الضرر عنه"

یعنی خدا تعالیٰ کے قول "ما من شفیع الا من بعد اذنه" میں جو شفیع آیا ہے تو شفیع وہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے کے ضرر کو اس سے دور کرنے کے لئے سوال کرے۔

اس کے چند سطر بعد لکھتے ہیں۔

والمعنی ههنا ان تدبیر الاشیاء و صنعته لها لیس یکون منه بشفاعة شفیع ولا بتدبیر مدبر لها سواه، وانه لا یجسر احد ان یشفع الیه الا من بعد ان یاذن له فیه، من حیث کان تعالیٰ اعلم بموضع الحکمة والصواب من خلقه بمصالحهم (تفسیر التبیان جلد 5 صفحہ 335)

یہاں مطلب یہ ہے کہ اشیاء کا خلق کرنا اور ان کی تدبیر کرنا، کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت سے نہیں ہوتا، اور نہ ہی اسکے سوا کسی دوسرے تدبیر کرنے والے مدبر کی تدبیر سے ہوتا ہے (خلق و تدبیر تو کجا) یقینی طور پر کوئی بھی شخص اسکی بارگاہ میں کسی کے رفع ضرر کیلئے شفاعت کی جسارت نہیں کر سکتا جب تک کہ خدا ہی اس کے بارے میں کسی کو اجازت نہ دیدے کیونکہ خدا اپنی خلقت کے مصالح اور حکمت سے سب سے زیادہ واقف و آگاہ ہے۔

مذکورہ بات سے اور لغت سے معلوم ہوا کہ شفاعت کسی دوسرے آدمی کے لئے شفارش کرنے یا سوال کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن یہ شفارش دنیاوی امور میں کسی کی طرف سے کسی کے لئے حکام کے پاس شفارش کے طور پر نہیں ہوتی کہ اپنے کسی عزیز کیلئے یا اپنی پارٹی کے کسی فرد کے لئے جائز و ناجائز بات منوانے اور اسکا کام کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ شفاعت جسکا قرآن میں بیان ہوا ہے وہ ہے جو بارگاہ خداوندی میں کی جاتی ہے اور یہ دو طرح کی شفاعت ہے۔

ایک شفاعت وہ ہے جو ایک مومن دوسرے مومن بھائی کے حق میں بارگاہ خداوندی میں دعائے خیر کے طور پر کرتا ہے۔ اس دعا کو بھی جو مومن کسی دوسرے مومن کے لئے کرتا ہے خدا نے اسے بھی شفاعت کہا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

"من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها و كان الله على كل شئى مقيتا (النساء-85)

جو شخص اچھے کام کی سفارش کرے تو اس کو بھی اس کام کے ثواب سے کچھ حصہ ملے گا اور جو برے کام کی سفارش کرے تو اسکو بھی اس کام کی سزا کا کچھ حصہ ملے گا اور خدا ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اور تفسیر التبیان میں اسکی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے: "**قيل فى معنى الشفاعه ههنا قولان احدهما : قال ابو على ، الشفاعة الحسنة ، الدعاء المومنين، والشفاعة سيئته الدعاء عليهم ، لان اليهود كانت تفعل ذالك فتو عدهم الله تعالى وقال حسن ،مجاهد و ابن زين : الشفاعة هى مسالة الانسان**

فى صاحبه ان يناله خير بمسالته. (تفسیر التبیان جلد 3 صفحہ 276)

یعنی شفاعت کے معنی میں یہ کہا گیا ہے کہ یہاں شفاعت کے دو معنی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابو علی کہتا ہے کہ نیک یا اچھی شفاعت، مومنین کی بھلائی کے لئے دعا کو کہا گیا ہے اور دوسری شفاعت انکے خلاف بددعا کرنے کو کہا ہے جیسا کہ یہودی مومنین کے حق میں بددعا کرتے تھے۔ لہذا یہ ان کے خلاف وعید ہے۔

اور حسن اور مجاہد اور زید نے یہ کہا ہے کہ شفاعت کسی انسان کا اپنے ساتھی کے لئے دعا کرنا ہے کہ اس کی دعا سے اسے بھی نیکی اور بھلائی پہنچے اسکے بعد لکھتے ہیں،

"وعندنا ان حقيقة الشفاعة هي المسالة فى اسقاط الضرر و انما تستعمل فى مسالة المنافع مجازا" (تفسیر التبیان جلد 3 صفحہ 277)

شیخ ابو جعفر طوسی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی کا کسی کے لئے ضرر سے چھٹکارا پانے کی درخواست کرنے کے لئے ہوتا ہے اور کسی کے لئے منافع اور فائدہ کی دعا کے لئے مجازا استعمال ہوتا ہے۔

بہر حال ایک شفاعت تو وہ ہے جو کوئی مومن اپنے بھائی کے لئے کرتا ہے اور اس کے حق میں کسی بھلائی کی دعا کرتا ہے لہذا روایات میں اپنے مومن بھائی کے حق میں دعائے خیر کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے یہ شفاعت وہ ہے جو مومن از خود بغیر کسی درخواست کے کرتا ہے۔ لہذا خصوصی طور پر بھی کسی سے التماس دعا کی جا سکتی ہے۔ کسی مومن سے کسی عالم سے کسی مجتہد سے حتی کہ آئمہ اور انبیاء و رسل سے بھی۔ خدا مومنین کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ لیکن آئمہ و انبیاء و رسل کی دعا کی قبولیت زیادہ یقینی ہے۔ اور یہ دنیاوی زندگی میں کسی کے لئے حصول نفع اور رفع ضرر کی دعا ہوتی ہے۔ لیکن شیخیہ احقاقیہ کویت یہ کہتے ہیں کہ اس طرح تو ہر انسان اور مجتہد کو کسی کے لئے دعا کرنے میں یا احکام بیان کرنے میں انبیاء و رسل اور آئمہ ھدیٰ کے برابر کر دیا ہے۔ پھر آئمہ ھدیٰ اور انبیاء و رسل اور عام مومنین اور مجتہدین میں کیا فرق رہ گیا ہے اور ہم نے اپنی کتاب "ولایت قرآن کی نظر میں اس فرق کو بیان کر دیا ہے۔

بہر حال یہ وہ شفاعت ہے جو دنیا میں ایک مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے

لئے دعا کے طور پر کرتا ہے اور اس شفاعت کے لئے التماس بھی کی جاسکتی ہے اور آئمہ ھدیٰ اور انبیاء و رسل زیادہ لائق ہیں اس بات کے لئے کہ ان سے التماس دعا کی جائے یعنی شفاعت کی درخواست کی جائے اور یہ شفاعت عام ہے اور قرآنی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے اذن عام ہے۔

دوسری شفاعت وہ ہے جسکا تعلق آخرت سے ہے اور یہ خاص ہے یہ شفاعت وہی کرسکے گا جسے خدا اذن دے اور صرف اسی کے لئے شفاعت کرسکے گا جس کی شفاعت کرنے کی خدا اجازت دے کہ تم اسکی شفاعت کرو اور اس مطلب پر قرآن کی بہت سی آیات شاہد ہیں۔ ہم چند آیات ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ پہلی آیت

"یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفداً ونسوق المجرمین الی جھنم وردا لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عھدا"

(مریم 86 تا 88)

جس دن پرہیزگاروں کو خدا رحمٰن کے سامنے مہمانوں کی طرح جمع کرینگے اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح ہنکائیں گے اس دن یہ لوگ سفارش پر بھی قادر نہ ہونگے مگر جس شخص نے خدا سے سفارش کا اقرار لے لیا ہو۔

اس آیت سے صاف طور پر واضح ہے کہ یہ آخرت کی بات ہے

اور تفسیر التبیان میں اسکی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے کہ:

" لا یملکون المتقون الشفاعة الا لمن اتخذ عند الرحمن عھد و المراد به الایمان ، والاقرار بوحدانیته وتصدیق انبیائه فان الکفار لا یشفع لھم"

(التبیان جلد 7 صفحہ 151,150)

یعنی ان متقین کو کسی کی شفاعت کا اختیار نہیں ہوگا سوائے اس شخص کے سفارش کے جس سے خدائے رحمٰن نے عھد لے لیا ہے۔ اور عھد سے مراد ایمان ہے اور خدا کی وحدانیت کا اقرار اور اسکے انبیاء کی تصدیق کرنا ہے کیونکہ کفار کی کوئی شفاعت نہیں کریگا۔

دوسری آیت: " یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن"

اس دن کسی کی شفارش کام نہ آئیگی مگر جس کو خدا نے اجازت دی ہو اور اسکا بولنا پسند کرے

تفسیر التبیان میں اسکی تفسیر میں یوں لکھا ہے۔

اخبر الله تعالیٰ ان ذالک الیوم لا تنفع الشفاعة احد فی غیره الا شفاعة من اذن له ان یشفع ورضی قوله فیھا من الانبیاء والاولیاء ...والصدیقین والمومنین"

(تفسیر التبیان جلد 7 صفحہ 210,209)

خداوند تعالیٰ خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ دن ایسا ہوگا کہ اس دن کسی کی شفارش کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی فائدہ نہ دے گی سوائے انبیاء اولیاء و صدیقین اور مومنین میں سے اس شخص کی جسے خدا اجازت دے کہ تم شفاعت کرو اور اس بارے میں اس کی بات کو پسند کرے"

اس آیت سے بھی ثابت ہے کہ یہ آخرت میں شفاعت کی بات ہے اور اس دن کوئی بھی نبی ہو یا ولی ہو یا صدیق یا کوئی مومن بغیر اذن خدا کے کسی کی شفاعت نہ کرسکے گا

تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له حتیٰ اذا فزع عن قلوبھم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق"

(السبا-23)

اسکی بارگاہ میں کسی کی شفارش کام نہ آئیگی سوائے اس کے جس کے لئے خدا خود اجازت عطا فرمائے۔ اس کے دربار کی ہیبت یہاں تک ہے کہ جب شفاعت کرنے کا حکم ہوگا تو شفاعت کرنے والے بے ہوش ہوجائیں گے۔ پھر جب انکے دلوں کی گھبراہٹ دور کردی جائیگی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے فرشتے کہیں گے جو واجبی تھا۔

تفسیر التبیان میں اسکی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے۔

"ثم اخبر تعالیٰ (ولا تنفع الشفاعة عنده) ای عند الله (الا لمن اذن الله له) فی الشفاعه من الملائکة والنبیین والمومنین"

(تفسیر التبیان جلد 8 صفحہ 393)

یعنی اسکے بعد خداوند تعالیٰ خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس کے پاس کسی کی بھی کوئی شفارش فائدہ نہیں دے سکتی مگر ملائکہ، نبیوں، اور آئمہ اور مومنین میں سے جسے خدا

شفاعت کرنے کی اجازت دے دے۔

چوتھی آیت میں اسطرح بیان ہوا۔

"من ذالذی یشفع عنده الا باذنه" (البقرہ 255)

ایسا کون ہے جو اسکی بارگاہ میں اسکی اجازت کے بغیر شفاش کرسکے

پانچویں آیت میں اسطرح آیا ہے

"و قالو اتخذ الرحمن ولداً سبحانه بل عباد مکرمون لا یسبقونه بالقول هم بامره یعملون یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ وهم من خشیته مشفقون" (الانبیاء 26 تا 28)

کہتے ہے کہ خدا نے فرشتوں کو اپنی اولاد دبیٹیاں بنا رکھا ہے حالانکہ وہ اس سے پاک وپاکیزہ ہے بلکہ وہ فرشتے تو خدا کے معزز بندے ہیں، وہ تو اس کے آگے بڑھ کر بول بھی نہیں سکتے اور وہ اسکے حکم پر چلتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے غرض سب کچھ خدا کو معلوم ہے اور یہ فرشتے اس شخص کے سوا جس سے خدا راضی ہو کسی کی سفارش نہیں کرتے اور وہ خود اس کے خوف سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں عمدہ البیان میں اسطرح لکھا ہے کہ:

نہیں آگے بڑھتے ہیں ملائکہ اس خدا سے ساتھ بات کہنے کے یعنی "بدون اذن کے کلام نہیں کر سکتے جیسے طریقہ غلاموں کا ہوتا ہے پس بدون اجازت خدا کے کسی کی شفارش نہیں کرسکیں گے۔ اور وہ ساتھ حکم اس کے کام کرتے ہیں یعنی جب تک کام کا حکم ان کو نہ پہنچے کچھ نہیں کرتے سوائے عبادت کے جانتا ہے خدا جو کچھ آگے ان کے ہے اور جو کچھ پیچھے ان کے ہے یعنی افعال واقوال جو کچھ کہ ان فرشتوں نے پہلے کیے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں سب کو جانتا ہے اس واسطے ملائکہ اپنے نفس اور احوال کی حفاظت کرتے ہیں اور بدون اذن کچھ نہیں کر سکتے اور نہیں شفاعت کر سکتے ہیں مگر واسطے اس شخص کے کہ پسند کرے خدائے تعالیٰ اور کہے کہ اس کی شفارش کرو اور وہ شخص وہ ہے کہ جو اقرار کرے وحدانیت کا خدا کی اور جمیع انبیاء کی نبوت کا اور آئمہ معصومین کی امامت کا اور قیامت کا اور اہل کبائر کے واسطے یعنی جو گناہ کرتے ہیں ان کے واسطے بھی شفاعت ہو سکتی ہے اس واسطے کہ بعض نیک

اعمال انکے ایسے ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کو پسند کرے اور انکی جہت سے گناہان کبیرہ ان کے بخشے جائیں اور واسطے ان کے اذن شفاعت کا جاری ہو۔

(تفسیر عمدہ البیان پ 17 ع 2 الانبیاء۔28)

ان مذکورہ آیات کے علاوہ قرآن کریم میں شفاعت کے موضوع کی اور بہت سی آیات ہیں۔ ان آیامت سے جو باتیں ثابت ہیں وہ یہ ہیں۔

1۔ دنیا میں کسی مومن کے لئے دعا کرنا شفاعت کرنا ہے اور اسکا خود دعا کرنے والے کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ یہ گناہوں کی بخشش کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔

2۔ آخرت میں گناہوں کی بخشش کے لئے کوئی کسی کی سفارش نہ کرسکے گا البتہ جس کسی کو خدا اجازت دے وہ شفاعت کرسکتا ہے مگر اس کی شفاعت کی جاسکے گی جس کی شفاعت کرنے کی خدا اجازت دے۔

3۔ جن کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی ان میں ملائکہ، انبیاء، ورسل، ہادیان دین، متقین، مومنین شامل ہیں۔

4۔ جنکی شفاعت کرنے کی اجازت نہ ہوگی ان میں کافر، مشرک، منافق اور سورہ المدثر کی آیت نمبر 40 تا 48 کے مطابق نماز نہ پڑھنے والوں محتاجوں کو کھانا نہ کھلانے والوں یعنی زکوٰۃ نہ دینے والوں، اور باطل کے ساتھ باطل میں گھس جانے والوں کو، اور قیامت کو جھٹلانے والوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی۔

پس وسیلہ برحق ہے مگر وسیلہ کا معنی صحیح وہ ہے جسے امیر المومنین نے اپنے خطبہ میں بیان فرمایا یعنی جن باتوں پر ایمان لانا لازم وواجب ہے ان پر صحیح ایمان لانا اور جن کاموں کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو بجا لانا اور جن کاموں سے خدا نے روکا ہے ان سے رک جانا غرض ہر کار خدا پسند خدا کے تقرب کا وسیلہ ہے۔ خدا نے کسی کو ایسا وسیلہ نہیں بنایا کہ خدا تو صرف انہیں دے اور پھر آگے وہ تقسیم کریں۔ البتہ خداوند تعالیٰ نے کچھ مخصوص کاموں کے لئے کچھ مخصوص اسباب اور وسیلے اور واسطے قرار دیئے ہیں مثلاً قبض ارواح کے لئے اس نے "ملائکۃ الموت" کو مقرر کیا ہے زندہ کرنے کیلئے اسرافیل کو مقرر کیا ہے

۔لوگوں کے نامہ اعمال لکھنے پر ''کراماً کاتبین'' مقرر ہیں وغیرہ۔ اسی طرح خدا کے احکام پہنچانے اور کار ہدایت انجام دینے کا کام اس نے انبیاء و رسل، آئمہ اور ہادیان دین کو سپرد کیا ہے لہذا ہدایت حاصل کرنے کے لئے بہر صورت انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

البتہ اپنی حاجات بر آری کے لئے ان سے دعا یا شفاعت یا شفارش کی استدعا کی جا سکتی ہے لیکن شیخیہ احقاقیہ کویت یہ کہتے ہیں کہ احکام پہنچانے اور دعا کرنے کا کام تو عالم اور مجتہد بھی کرتے ہیں پھر آئمہ معصومین اور علماء و مجتہدین میں کیا فرق ہوا جیسا کہ مرزا عبدالرسول احقاقی نے ''ولایت در قرآن'' میں لکھا ہے انکے نزدیک خلق بھی کرتے ہیں رزق بھی دیتے ہیں مارتے بھی ہیں اور زندہ بھی یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ مرزا موسیٰ اسکوئی اپنی کتاب احقاق الحق میں لکھتا ہے''لیت شعری ما بال اقوام اذا قیل لهم ، ان میکائیل یقسم الارزاق و عزرائیل یمیت، وجبرائیل یخلق ، واسرافیل یحیی باذن الله ، ولا یستوحشون یقبلون بقبولٍ حسنٍ مع انهم عبید و خدام لهم(ع) واذا قیل علی امیر المومنین ولی الله یخلق و یرزق و یحیی و یمیت باذن الله ، یصعدون الی السماء تارة وینزلون الی الارض اخریٰ کانه خولف بعقلهم فما دعاک الی هذا ایها المومن الموالی اذا سمعت فی حق موالیک ما تعقد فی حق عبیدهم و موالیهم انکرت کل الانکار و تکلمت بکلام اغیار'' (احقاق الحق مرزا موسیٰ اسکوئی ص 396

یعنی معلوم نہیں اس قوم کا کیا حال ہے۔ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ میکائیل رزق تقسیم کرتا ہے۔ عزرائیل مارتا ہے، جبرئیل خلق کرتا ہے اور اسرافیل اللہ کے حکم سے زندہ کرتا ہے۔ تو اس بات پر انکو وحشت نہیں ہوتی۔ اور اس کو خوشی خوشی قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ انکے خادم اور غلام ہیں۔ لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب خدا کے اذن سے خلق کرتے ہیں رزق دیتے ہیں زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں تو کبھی آسمانوں میں چڑھ جاتے ہیں اور کبھی زمین پر اتر آتے ہیں اور انکی عقلوں میں فتور آ جاتا ہے۔ اے مومن موالی یہ تیرا کیا حال ہے جب وہ بات جس کا اعتقاد تو ان کے غلاموں کے بارے میں رکھتا ہے اپنے مولا کے بارے میں سنتا ہے تو سختی سے انکار کرتا ہے اور تو غیروں

جیسی باتیں کرنے لگ جاتا ہے

موسیٰ اسکوئی الاحقاقی کی بات پر غور کرنے سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ابلیس سے بھی زیادہ فریب دینے کا ملکہ ہے کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ عزرائیل مارتا ہے جلاتا نہیں ہے اسرافیل جلاتا ہے مارتا نہیں ہے جبرائیل خلق کرتا ہے رزق تقسیم نہیں کرتا میکائیل رزق تقسیم کرتا ہے خلق نہیں کرتا، انبیاء و رسل احکام خدا پہنچانے پر مامور ہیں اور ہادیان دین اور آئمہ معصومین کار ہدایت انجام دیتے ہیں مذکورہ کام ان سے متعلق نہیں ہیں۔ لہذا اصل فتور انکی عقلوں میں ہے جو اہل ایمان کو ابلیس کی طرح بہکانے میں لگے ہوئے ہیں اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت اس کام میں شیطان پر بھی بازی لے گئے ہیں۔

پس وسیلہ برحق ہے مگر امیر المومنین کے مذکورہ خطبہ کے مطابق توحید پر انبیاء و رسل پر اور آئمہ معصومین پر ایمان لانا اور اعمال صالحہ بجالانا وسیلہ ہے واسطہ بھی برحق ہے مگر ہدایت کے حصول کے لئے کہ خدا نے انہیں ہماری ہدایت کے لئے بھیجا ہے پس صرف وہی خدا کے اور ہمارے درمیان احکام پہنچانے اور ہدایت دینے کا واسطہ ہیں اور شفاعت بھی برحق ہے دنیا میں حاجت بر آری کے لئے دعا کی استدعا کے طور پر اور آخرت میں اذن خدا سے گناہوں کی بخشش کے لئے۔ لیکن یا علی یا علی مدد کے نعرے غالیوں نے نصیریوں نے حضرت علی کو خدا ماننے والوں نے مفوضہ نے، صوفی ملنگوں نے اور شیخیوں نے اپنے عقیدہ کے اظہار کے طور پر رائج کئے ہیں۔ وہ دراصل اپنے خدا کو پکارتے ہیں اور شیعوں نے حضرت علی کی محبت میں نادانی سے غیر شعوری طور پر اپنا لیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اسلام کے سلام یعنی السلام علیکم کی جگہ بھی انکے یا علی مدد کہنے کو ہی اختیار کر لیا ہے۔

اسطرح کہنا نہ تو وسیلہ کے طور پر ہو سکتا ہے نہ واسطے کے طور پر ہو سکتا ہے، یہ صرف نصیریوں کی طرح اپنے خدا کو پکارنے کی طرح ہی ہے اور جو شیعہ حضرت علی کو خدا نہیں مانتے انکی طرف سے محبت علی میں بے خبری میں نادانستہ اور لاشعوری طور پر اپنا لیا گیا ہے لہذا اسطرح سے پکارنا ہرگز ہرگز تشیع نہیں ہے۔ بلکہ یہ خلاف تشیع ہے۔ اور اگر کوئی حضرت علی کو خدا نہیں سمجھتا تو یہ انکی شان کو مدنظر رکھتے ہوئے سوئے ادب ہے۔ اور شیعوں کی کسی بھی مستند کتاب میں اسطرح نعرے لگانے کو وسیلہ یا شفاعت کے معنی میں عین تشیع قرار نہیں

دیا گیا ہے۔

مگر انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عوام میں ان نعروں کے رواج پا جانے کے بعد علماء حق نے بھی ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور ان نعروں کے لئے تاویلیں کر کے اسے عین تشیع قرار دینا شروع کر دیا ہے۔ اور انہوں نے خود بھی یہ نعرے عوام سے لگوانے اور لگانے شروع کر دیئے ہیں۔ کاش وہ نعرہ حیدری یا علی یا علی مدد کی بجائے نعرہ ولایت یعنی یا امیر المومنین، نعرہ امامت یعنی یا امام المتقین، نعرہ وصایت یعنی یا سید الوصیین، اور نعرہ قیادت یا قائد الغر المحجلین، لگواتے تو نعرہ تکبیر اللہ اکبر، اور نعرہ رسالت یا رسول اللہ کے بعد باعتبار منصب وعہدہ والقاب یہ نعرے با مقصد نعرے ہوتے۔ اور فی الحقیقت یہی نعرے عین تشیع ہیں۔ مگر یہ ہمت کون کریگا؟

ہمارے نعروں کا تدریجی ارتقا اور میرا مشاہدہ

میں مذکورہ عنوان کے تحت یہ بیان نہیں کرونگا کہ یہ نعرے لگانا جائز ہے یا نا جائز۔ غلط ہے یا صحیح لیکن اپنی زندگی میں جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا ہے یہاں پر صرف اسے ہی بیان کرنا ہے۔

میری پیدائش چاند کے حساب سے 14 ربیع الاول سن 1345ھ ہے اس حساب سے اس وقت میں تقریباً 79 سال کا ہوں۔ سرکاری مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد جب کہ میں چودھویں سال میں تھا میرے والد مرحوم و مغفور نے مجھے میرٹھ (انڈیا) کے دینی مدرسے منصبیہ عربک کالج میں داخل کرا دیا۔ جہاں پر میں دو سال تک تحصیل علوم دینیہ میں مصروف رہا، اس کے بعد بعض دوستوں کے اصرار پر باب العلم اور تکمیل کالج نوگاواں سادات میں داخلہ لیا۔ اور دو سال وہاں تحصیل علوم میں مصروف رہا اس اٹھارہ سال کے عرصہ میں مجھے اپنے وطن برست کی اور وقف منصبیہ میرٹھ کے امام باڑہ کی اور نوگانواں سادات کے امام باڑہ کی مجالس سننے کا اتفاق ہوا۔ اور ان مجالس میں میں نے علامہ کلب حسین (کبن) صاحب قبلہ علامہ سید علی نقی صاحب، علامہ سید محمد دہلوی صاحب، قبلہ علامہ مفتی سید محمد احمد سونی پتی صاحب، علامہ لقاء علی صاحب، قبلہ اور علامہ حافظ کفایت حسین قبلہ

وغیرہ کی مجالس سنیں۔ ان مجالس میں میں نے سوائے درود وصلوات کے اور کوئی نعرہ نہیں سنا۔ ہر مقرر مجلس کی ابتدا درود وصلوات سے کرتا تھا۔ درمیان میں بھی کسی نکتہ پر درود وصلوات کے نعرے لگتے تھے۔ اور مقرر بھی مکرر درود اور بار دیگر صلوات کی فرمائش کرتا تھا۔

ہجرت کرنے کے بعد چنیوٹ ضلع جھنگ میں آباد ہوئے تو برست کے بڑے امام باڑے کی مجلس جناب محترم سید ذیشان حسین صاحب ایڈووکیٹ کے مکان پر ہونے لگیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ مجالس جناب محترم پیر افتخار احمد ظہیر صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں منتقل ہو گئیں۔ برست کے چھوٹے امام باڑے کی مجالس جناب محترم سید مصطفٰے حسین صاحب کے مکان پر ہوتی تھیں۔ ان مجالس میں تقریباً صرف ہماری بستی برست ہی کے مہاجرین شرکت کرتے تھے لہذا جب تک ان گھروں میں مجالس ہوتی رہیں۔ درود و صلوات ہی کا معمول رہا۔ لیکن جب ہمیں ریل بازار چنیوٹ میں امام بارگاہ قصر زین العابدین حاصل ہو گیا۔ اور مجلس کا دروازہ سب کے لئے کھل گیا تو پہلی مرتبہ اس امام بارگاہ میں کسی نکتہ پر نعرہ حیدری یا علی سننے کا اتفاق ہوا۔ لیکن اب بھی صرف نعرہ حیدری ہی لگا۔ نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت کی باری بعد میں آئی۔ وہ اسطرح کہ امام بارہ میں مجالس منتقل ہونے کے بعد مقررین باہر سے منگوائے جانے لگے جبکہ اس سے پہلے ہماری بستی والے آپ ہی مجلس پڑھا کرتے تھے سوز وسلام و مرثیہ کے علاوہ منبر پر تحت اللفظ مرثیہ ہوتا تھا۔ اور تقریر اکثر جناب محترم سید ذیشان حسین صاحب کرتے تھے یا محترم سید محمد وقار مہدی صاحب کرتے تھے یا یہ حقیر یعنی سید محمد حسین زیدی برستی کرتا تھا جب باہر سے مقرر آنے لگے تو ایک دفعہ ایک مقرر کے سامنے کسی نے نعرہ حیدری لگایا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے نعرہ تکبیر لگائیں پھر نعرہ رسالت لگائیں اور پھر اس کے بعد نعرہ حیدری لگائیں۔ اسطرح اللہ اور رسول پر بھی مہربانی ہو گئی اور ہمارے یہاں نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت بھی لگنے لگ گیا۔ ہمارے یہاں یہ نعروں کا تدریجی ارتقاء کے لئے صرف میرے مشاہدے کی بات ہے جائز و نا جائز کی بات نہیں ہے۔

نعرے اپنے مقصد اور عقیدے کا اظہار ہوتے ہیں۔

نعرے لگانا ہر قوم کا معمول ہے۔ ہر تحریک نعروں کے سہارے ابھرتی ہے کیونکہ یہ نعرے ان کے مقصد اور نظریہ اور عقیدے کو اجاگر کرتے ہیں۔

جنگ احد میں جب مسلمانوں کے بے تدبیری، بدنظمی اور پیغمبر اکرم صلعم کی حکم عدولی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی اور پیغمبر اکرم صلعم بھی زخمی ہو گئے تو ایک مرحلہ پر ابوسفیان نے یہ نعرہ لگایا۔ "اعلیٰ جبل" یہ نعرہ اس کے عقیدے اور نظریے کا اظہار تھا اور انکی ایک شناخت تھا اور یہ نعرہ وہی لگا سکتا ہے جو جبل کو خدا مانتا ہو،

جب پیغمبر اکرم صلعم کے کانوں میں یہ آواز پہنچی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم اس کے جواب میں یہ نعرہ لگاؤ۔ "اللہ اعلیٰ و اجل" یہ نعرہ اہل اسلام کے عقیدے اور نظریے کا اظہار تھا۔ اور انکی شناخت تھا۔ کیونکہ یہ نعرہ سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نہیں لگا سکتا تھا۔ یہ نعرہ پیغمبر نے خود لگوایا ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ نعرے عقیدے کے اظہار اور باطل کے ابطال کے لئے لگانے چاہییں۔

اور کوئی نعرہ کسی قوم کی شناخت یا علامت تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب وہ نعرہ صرف وہی لگا سکے اور کوئی دوسرا نہ لگا سکے۔ مثلاً اگر کسی مجمع میں یہ نعرے لگ رہے ہوں "سر سری اکال" تو ہر کوئی جان لیگا کہ یہ سکھوں کا اجتماع ہے، اسی طرح اگر کسی مجمع میں حق چار یار ابوبکر، وعمر، عثمان وحیدر کے نعرے لگ رہے ہوں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ یہ اہل سنت کا جلوس یا اجتماع ہے۔ کیونکہ یہ نعرہ کوئی شیعہ نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح نعرہ تکبیر کے ساتھ نعرہ رسالت یارسول اللہ اور نعرہ حیدری یا علی سے ہرگز یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ شیعہ اثناعشری کا اجتماع ہے کیونکہ فی الحقیقت یہ نعرے اہل سنت کا بریلوی فرقہ لگاتا ہے۔ اور بریلوی فرقے اور دیوبندی فرقے میں یارسول اللہ کہنا ایک متنازعہ مسئلہ ہے۔ اسی طرح وہ یارسول اللہ کانفرنس منعقد کرتے ہیں حالانکہ یہ کانفرنس بھی بے معنی ہے اور انکے یہ نعرے بھی بے معنی ہیں۔ اور یا علی کا نعرہ بھی انہوں نے "یا" کو اجاگر کرنے کے لئے اپنایا ہے حضرت علی کو پہلا امام مان کر نہیں۔ اسی طرح یا علی یا علی مدد کے نعرے جتنی عقیدت واحترام کے ساتھ

نصیری اور حضرت علی کو خدا ماننے والے فرقے اور مفوضہ اور شیخیہ اور صوفیہ لگاتے ہیں اتنی عقیدت کے ساتھ اور کوئی نہیں لگا سکتا اور اسے ہم نے اپنے کتابچہ، سوچنے کل کیلئے کیا بھیجا ہے" میں ثابت کیا ہے۔ اور صوفی ملنگ تو گلی گلی یہ نعرے لگاتے پھرتے ہیں پس یہ انکی شناخت ہے یہ شیعوں کی شناخت اور علامت تشیع نہیں ہے۔

وہ نعرے جو شیعوں کی شناخت اور علامت تشیع ہیں

پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ نے جنگ احد میں "اعلیٰ جبل کے مقابلہ میں "اللہ اعلی واجل" کا نعرہ لگوا کے یہ سبق دیا ہے کہ اگر نعرے لگاؤ تو ایسے لگاؤ جو تمہارے عقیدے کا اظہار ہوں اور اس سے باطل کا ابطال ہو۔ مثلاً یہ نعرے شیعوں کے عقیدہ کا اظہار ہیں نعرہ تکبیر اللہ اکبر، نعرہ توحید لا الہ الا اللہ، نعرہ رسالت محمد رسول اللہ، نعرہ ولایت علی ولی اللہ وصی رسول اللہ، جبکہ نعرہ رسالت یا رسول اللہ سے کسی عقیدہ کا اظہار نہیں ہوتا اور یہ "یا" کا اظہار کرنے کیلئے بریلویوں کا نعرہ ہے۔ اور وہ نعرے جو صرف اثنا عشری شیعہ لگا سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

اوصیائے پیغمبر ہیں اثنا عشر — ہیں دین کے رہبر اثنا عشر
ہیں ہادی برحق اثنا عشر — آئمہ ھدیٰ ہیں اثنا عشر
امام زمانہ ہیں — صاحب الامر

ایک اور نعرہ بھی ایسا ہے جسے صرف شیعہ ہی لگا سکتے ہیں اور وہ یہ ہے نبی جس کا مولا علی اسکا مولا علی مولا علی مولا علی مولا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جب ہم محمد رسول اللہ کہتے ہیں تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں کہ آنحضرت نے تبلیغ رسالت کرتے ہوئے جو کچھ ہم تک پہنچایا ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اگر شیعہ قوم پیغمبر کی اس تبلیغ رسالت کو نعروں کے ذریعہ بیان کرتی تو پیغمبر کی یہ رسالت چھپائی نہ جا سکتی جو چھپا دی گئی ہے، وہ نعرے یہ ہیں

صدیق اکبر علی علی، فاروق اعظم علی علی، ہے سب کا مولا علی علی
احمد کا وصی ہے علی علی، ہے اپنا ھادی علی علی، ہے سب کا مولا علی علی
اللہ کی حجت علی علی، ہے ساقی کوثر علی علی، ہے کلمہ باقی علی علی

ہے مثل حاروں علی علی، وغیرہ وغیرہ

اور اگر حرف "یا" کے ساتھ ہی یہ نعرہ لگانا پسند ہو تو پھر یہ نعرے ہیں۔ نعرہ رسالت، یارسول اللہ، نعرہ ولایت یا امیر المومنین، نعرہ امامت یا امام المتقین، نعرہ وصایت، یا سید الوصیین، وغیرہ، یہ نعرے بھی شیعوں کی شناخت اور علامت تشیع کہلا سکتے ہیں۔ لیکن یاعلی یاعلی یاعلی مدد کے نعرے نصیریوں کے نعرے ہیں۔ اور حضرت علی کو خدا ماننے والوں کے نعرے ہیں، اور یہ مفوضہ کے شیخیوں کے صوفیوں کے اور ملنگوں کے نعرے ہیں پس یہ نہ شیعوں کی شناخت ہیں نہ علامت تشیع ہیں۔

ہمارے نعرے ایک طرح سوئے ادب ہیں

ہماری مجالس ومحافل میں اکثر نعرہ تکبیر اللہ اکبر، نعرہ رسالت، یارسول اللہ اور نعرہ حیدری یاعلی یاعلی مدد لگائے جاتے ہیں۔ اس میں یا حرف ندا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی قریب سے یا دور سے، دونوں کے لئے یا کے ذریعہ پکارا جانا درست ہے اور یا کے بارے میں بریلویوں اور دیوبندیوں کی بحث فضول ہے۔

لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس سے سوال کریں۔ اس سے ہی اپنی حاجات طلب کریں۔ اور اپنی حاجات طلب کرنے کے لئے اسے اس کے نام سے پکاریں اور اس کا نام لے کر اسے مخاطب کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا" (الاعراف 180)

اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں پس تم اسے اس کے نام سے پکارا کرو"

پس یا اللہ کہو، یارحمان کہو، یا کریم کہو، یارحیم، کہو یہ سب اس کے ذاتی اور صفاتی نام ہیں۔ اور اسے پسند ہے یہ بات کہ لوگ اسے اس کے اسم ذات اللہ یا اسم صفات یارحمٰن ویارحیم ویاکریم وغیرہ کے ساتھ مخاطب کریں۔

لیکن اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ کے لئے اسے یہ پسند نہیں ہے کہ کوئی ان کے سامنے یا ان کے پیچھے یا ان کے بعد کسی طرح بھی ان کا نام لیکر پکارے۔

اس نے خود سالم قرآن میں کہیں بھی آنحضرت کا نام لیکر مخاطب نہیں کیا بلکہ کہیں کہا، یاایھا النبی یعنی اے نبی کہیں کہا، یاایھا الرسول یعنی اے رسول، کہیں کہا، یاایھا لمدثر کہیں کہا یاایھا المزمل۔ یہ طریقہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی عزت وتکریم اور ادب واحترام سکھانے کے لئے اختیار کیا گیا۔ چنانچہ خدا نے بالفاظ واضح بھی مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ میرے حبیب کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے۔

"تعزروہ و توقروہ" (الفتح-9)

یعنی تم اسکی مدد بھی کرو اور اسکی توقیر اور عزت واحترام بھی کرو۔

چنانچہ سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کو اپنے حبیب کا ادب واحترام سکھانے کے عنوان سے فرماتا ہے" لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون (الحجرات-2)

یعنی اے ایمان لانے والو تم بولنے میں اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو، اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

یہ سورت یعنی سورۃ الحجرات پیغمبر کے ادب اور احترام سکھانے والی سورۃ کہلاتی ہے چنانچہ مذکورہ آیت میں پیغمبر کے ادب اور احترام کا ایک تقاضہ یہ بتلایا کہ تم پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ کیا کرو اور انکے ساتھ اس طرح نہ بولا کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ زور زور سے بولا کرتے ہو۔ اور پیغمبر کا احترام نہ کرنے اور پیغمبر کے سامنے زور زور سے بولنے پر بے ادبی کا نتیجہ یہ بتلایا کہ تمہارے سارے کئے کرائے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔

اور اسی عزت وتوقیر اور ادب واحترام کا ایک تقاضا اس کے نزدیک یہ بھی تھا کہ کوئی شخص آنحضرت کو انکا نام لیکر نہ پکارے۔ یعنی خدا کے نزدیک آنحضرت کا نام لیکر پکارنا خلاف احترام اور بے ادبی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ بنی تمیم کے کچھ لوگ آنحضرت سے ملنے کے لئے آئے اور انہوں نے آپ کے حجرے کے باہر کھڑے ہو کر آواز دی کہ

یا محمدؐ اخرج الینا" یعنی اے محمدؐ ہمارے پاس باہر آؤ

خدا کو یہ بات بری لگی اور ارشاد فرمایا

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (النور-63)

تم لوگ پیغمبر کو آواز دے کر اس طرح نہ بلایا کرو جس طرح سے تم آپس میں بعض بعض کو نام لے کر بلاتے ہو اس کی تفسیر میں مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت کو نام کی بجائے عزت و احترام اور پورے وقار کے ساتھ یا نبی اللہ یا یا رسول اللہ کہہ کر مخاطب کرنا چاہیے

کچھ لوگ پیغمبر صلی الله علیہ وآلہ کے حجروں کے پاس کھڑے ہو کر آپ کو آپ کے نام کے ساتھ پکارتے تھے یہ بات خدا کو اچھی نہیں لگی اور اسے پیغمبر کی بے ادبی اور خلاف احترام قرار دیتے ہوئے انہیں عقل سے کورے بتلایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

"**ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون** (الحجرات-4)

یعنی اے رسول جو لوگ تجھ کو حجروں کے باہر سے تیرا نام لے کر تجھے آوازیں دیتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کورے ہیں۔ پس پیغمبر کا نام لے کر پکارنے سے پیغمبر کی بے ادبی ہوتی ہے اور اس قسم کی بے ادبی سے نہ صرف ان کے کیے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں بلکہ خدا ان کو عقل سے کورے قرار دیتا ہے اور یہ بات ہمارے معاشرے میں بھی ملحوظ خاطر رہتی ہے کہ بزرگوں کا نام لے کر پکارنا سوئے ادب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ اور ہمارے آئمہ کرام یا دنیاوی حکومتوں کے فرمانروا تو رہے ایک طرف ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ سادات میں کم حیثیت یا کم عمر کے لوگوں کو بھی عوام شاہ صاحب کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور اسلامی تہذیب بھی یہی ہے کہ چھوٹا بڑے کو نام لینے کی بجائے کسی عزت والے خطاب یا کسی بزرگی والے رشتہ کے ساتھ مخاطب کرے لہذا اس اصول کی بناء پر رسول اللہ کا نعرہ بالکل درست ہے اور صحیح ہے اگر چہ یہ بریلویوں کی نقل ہے اور اس سے کسی عقیدے کا اظہار نہیں ہوتا۔

لیکن شیعان جعفریہ اثنا عشریہ کے نزدیک نبوت کے منصب اور مرتبہ کے علاوہ جو

عزت و احترام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ہے وہی عزت و احترام آئمہ اطہار علیہ السلام کا ہے۔ اور کسی بھی تاریخ میں ہم نے نہیں پڑھا کہ حضرت علی کے زمانے کے شیعوں یعنی سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود اور عمار یاسر نے کبھی آپ کو یا علی کہہ کر مخاطب کیا ہو بلکہ سب یا تو آپ کو یا امیر المومنین کہتے تھے یا انہیں مولا کہہ کر مخاطب کرتے تھے یا انہیں امام کہتے تھے اور آپ کو امیر المومنین لکھنا تو شیعیان حقہ کی علامت قرار دیا جا چکا تھا۔ حتی کہ اگر اہل سنت کے کسی معروف عالم یا دانشور نے بھی انہیں اپنی کسی کتاب میں امیر المومنین لکھ دیا ہے تو اہل سنت کے بعض مناظرہ کرنے والے اپنے ان علماء پر شیعہ ہونے کی تہمت لگانے سے نہیں چوکتے تھے ہاں تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مخالف اور آپ کے دشمن آپ کو یا علی کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور خوارج بر ملا طور پر دو بدو آپ کو یا علی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اور یا علی کہہ کر آپ سے بات کرتے تھے۔ تو نعرہ لگانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جب ہمارے نزدیک جو عزت و احترام پیغمبر کا ہے وہی عزت و احترام حضرت علی اور دوسرے آئمہ کا ہے تو غور طلب بات یہ ہے کہ جب یا محمد کا نعرہ لگانا بے ادبی ہے سوئے ادب ہے۔ گستاخی ہے تو "یا علی" کہہ کر نعرہ لگانا بے احترامی، سوئے ادب اور گستاخی کیوں نہیں ہوگا؟ حضرت علی کی عزت و احترام کا تقاضا تو یہ تھا کہ نعرہ رسالت کے بعد آپ کے منصب کے مطابق نعرہ ولایت، یا امیر المومنین، یا نعرہ امامت یا امام المتقین یا نعرہ وصایت یا سید الوصیین لگایا جاتا۔

میں پھر اصرار کے ساتھ کہتا ہوں یہ بات اور اہل ایمان کو دعوت غور و فکر دیتا ہوں کہ اگر "یا محمد" کہنا سوئے ادب ہے تو "یا علی" کا نعرہ لگانا انکی توہین، انکی ہتک اور ان کے لیے سوئے ادب کیوں نہیں؟ اور انکی عزت وقار اور احترام کے خلاف کیوں نہیں ہوگا؟ اور یہ بات یقین کے ساتھ کہیں جا سکتی ہے کہ شیعیان امامیہ اثنا عشری میں سے کوئی شیعہ حضرت

علی کی توہین انکی ہتک اور سوئے ادب کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تو پھر یہ کیا ہو گیا۔ کہ آنحضرت کے لئے تو نعرہ رسالت لگایا جائے اور حضرت علی کے لیئے نعرہ ولایت یعنی یا امیر المومنین، یا نعرہ امامت یا امام المتقین یا نعرہ وصایت یا سید الوصیین کی بجائے انکے نام کا نعرہ لگایا جائے اور آپکو آپکا نام لیکر پکار جائے "یا علی "یعنی او علی۔ یا اے علی" جیسا کہ بڑا آدمی اپنے سے چھوٹے کو پکارتا ہو یا آقا اپنے غلام کو پکارتا ہو یا مالک اپنے نوکر کو بلاتا ہو۔ خدا غریق رحمت کرے علامہ سید محمد یار شاہ صاحب کو ایک مجلس میں جب لوگوں نے کسی نکتہ پر خوش ہو کر نعرہ حیدری "یا علی" لگایا تو آپ نے فرمایا کہ حیدر کرار تو اللہ اکبر" کو نعرہ لگایا کرتے تھے لہذا نعرہ حیدری اللہ اکبر ہے" تو یہ نعرہ حیدری یا علی یا علی مدد کیسے بن گیا؟ یہ ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی قسم کا اعتراض کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ نعرے ان لوگوں کے ہیں جو علی ؑ کو خدا مانتے ہیں، وہ اپنے خدا کو پکارتے ہیں اور خدا کو اس کے نام کے ساتھ ہی پکارا جاتا ہے۔ جب سادہ لوح اور بے خبر شیعہ عوام نے انہیں یا علی یا علی اور یا علی مدد یا علی مدد کہتے سنا، تو حضرت علی کی محبت میں انہیں یہ نعرے بہت پسند آئے۔ اور حضرت علی کی محبت نے انہیں اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ بھی یا علی یا علی اور یا علی مدد یا علی مدد کے نعرے لگائیں۔

اور چونکہ غالیوں کا مفوضہ کا اور شیخیوں کا شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ پر غلبہ ہو چکا ہے لہذا وہ مجالس میں ہمارے منبروں پر عجیب و غریب بے تکی دلیلوں کے ذریعہ عوام کے سامنے یا علی مدد کہنا اور یا علی کے نعروں کا لگانا ثابت کر کے انہیں خوش کرتے ہیں۔ اور خوب نعرے لگواتے ہیں۔ لیکن اکثر سادہ لوح شیعہ عوام ویسے ہی کسی بات پر خوش ہو کر جس بات پر بھی خوش ہو جائیں۔ چاہے وہ غلط ہی ہو۔ اپنی خوشی کے اظہار کے طور پر لگاتے ہیں۔ اس کے سوا انکا اور کچھ مقصد نہیں ہوتا۔ اور انہیں انکی حقیقت اور اصلیت کا کچھ علم نہیں ہوتا اگرچہ نعرے تو وہ بے خبری میں اظہار خوشی کیلئے محبت میں لگاتے ہیں مگر سوئے ادب کے

مرتکب ہو جاتے ہیں۔

بریلوی حضرات کی ایک محفل میں ہم نے یہ نعرے اس طرح سنے، نعرہ تکبیر اللہ اکبر، نعرہ رسالت یا رسول اللہ، نعرہ غوثیہ یا غوث الاعظم، نعرہ حیدری یا علی، یعنی اللہ کی کبریائی کا اقرار کیا رسول کی رسالت کا اقرار کیا، اور عبد القادر جیلانی کا نام نہیں لیا بلکہ یا غوث الاعظم یعنی بہت بڑا فریاد رس کہا اور حضرت علی کو اسطرح پکارا جیسے کوئی بڑا آدمی اپنے سے چھوٹے کو بلاتا ہو۔ یا آقا اپنے غلام کو بلاتا ہو یا مالک اپنے کسی نوکر کو پکارتا ہو۔ کیونکہ یا علی کا اردو میں مطلب ہے "او علی" یا اے علی" بعض مقررین اس کے جواز میں عجیب عجیب دلیلیں دیتے ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خیبر میں یا علی کہہ کر علی کو مدد کے لئے پکارا۔ ایک شاعر نے بھی اس پر طبع آزمائی کی ہے اور داد لی ہے وہ کہتا ہے

؎ ہم نے کہا تو مورد الزام ہو گئے ۔ خیبر میں خود نبی نے کہا یا علی مدد

جبکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ "الشعراء یتبعون الغاوون" (الشعراء۔224)

شعراء کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ شعر حجت نہیں ہوتا اور اس شعر کا جواب یہ ہے کہ:

؎ تہمت ہے یہ نبی پر سراسر اے بے خبر ۔ خیبر میں کب نبی نے کہا یا علی مدد

علاوہ ازیں خدا نے ہر مومن پر پیغمبر کی مدد کو واجب قرار دیا ہے (ولتنصرنه) اور پیغمبر جس کو بھی مخاطب کرتے تھے وہ یا کے ساتھ کرتے تھے مثلاً یا ابو بکر، یا عمر، یا عثمان، یا سلمان، یا جندب، یا ابوذر وغیرہ۔ اور احد میں 67 انصار نے پیغمبر کی نصرت میں جام شہادت نوش کیا اور یا علی اور یا علی مدد کو سنت رسول کہنے والے اس بات پر غور کریں کہ اگر پیغمبر حضرت علی سے یہ کہتے کہ اے علی ذرا میری ٹانگیں دبا دو میں ذرا تھکا ہوا ہوں تو علی ایسا کرنا فخر سمجھتے تو کیا تم بھی اسے سنت رسول سمجھ کر علی سے اپنی ٹانگیں دبوانا چاہو گے

بہر حال اکثر بھنگ گھوٹ ملنگوں کا شیوہ یہی ہے کہ وہ گلی گلی ڈنڈا اٹھاتے یا علی اور یا علی مدد کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں۔ اور سادہ لوح شیعہ عوام انہیں محض یا علی یا علی اور یا علی مدد کے نعرے لگانے کیوجہ سے محبان علی اور شیعہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان میں شیعیت کی کوئی بھی بات نہیں ہے۔ مگر ان کی یہ بات سادہ لوح شیعہ عوام کو بہت پسند آئی۔ اور انہوں نے اسے محبت علی کی علامت سمجھا اور خود بھی یا علی یا علی اور یا علی مدد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

بہر حال ان نعروں کی تاریخی حقیقت یہی ہے لہذا شیعیان جعفریہ اثناء عشریہ کے لئے مناسب یہی ہے کہ جس طرح وہ رسول اللہ کا ادب واحترام کرتے ہوئے نام نہیں لیتے بلکہ نعرہ رسالت یا رسول اللہ لگاتے ہیں یا محمدؐ نہیں کہتے۔ اسی طرح حضرت علی کا بھی احترام کرتے ہوئے نام لینے کی بجائے انکے مناصب کے مطابق نعرے لگایا کریں۔ اسطرح حضرت علی کی شان میں گستاخی بھی نہ ہوگی اور وہ شیعوں کے تخصیصی نعرے ہونگے اور ان کے عقیدے کا اظہار ہونگے۔

لیکن ہم نے بعض ایسے شیعہ علمائے حق کو دیکھا ہے جن پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ یا علی کا نعرہ لگانے یا یا علی مدد کہنے کے خلاف ہیں۔ کہ وہ بڑے ادب کے ساتھ تقریر شروع کرنے سے پہلے نعرہ حیدری لگواتے ہیں۔ اور بعض علمائے حق کو دیکھا ہے کہ جب کسی نکتہ پر عوام خوش ہو کر خود ہی نعرہ حیدری لگاتے ہیں تو وہ خود بھی بڑے التزام کے ساتھ یا علی، زور کیساتھ نمایاں طور پر ظاہر کر کے کہتے ہیں تا، کہ سامعین کیساتھ کہنے میں انکی آواز دب کر نہ رہ جائے، اور انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ بھی یا علی کا نعرہ لگاتے ہیں۔

اگر ہمارے علماء کے حق نعرہ رسالت کے ساتھ نعرہ ولایت یا امیر المومنین اور نعرہ امامت یا امام المتقین اور نعرہ وصایت یا سید الوصیین لگوائیں تو یہ بات ہمارے عقیدے اور

حضرت علی کی عزت و احترام کے عین مطابق ہو گی۔ اور یہ نعرے سابقہ عنوان کے نعروں کے ساتھ ملکر شیعوں کے تخصیصی نعرے ہونگے۔

نعرے وحی کے ذریعہ نازل نہیں ہوتے۔ ہر کوئی اپنے عقیدے اور اپنے نظریہ کے اظہار کے لئے نعرے لگاتا ہے۔ لہذا ہمیں بھی ایسے نعرے لگانا چاہیں جن سے حقیقتاً ہمارے عقیدے اور نظریہ کا اظہار ہو۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتابوں "تبصرہ الھموم" اور "سوچئے کل کے لئے کیا بھیجا" ہے۔ میں بھی بہت سے نعروں کا بیان کیا ہے جو شیعہ مذہب کی ترجمانی کرتے ہیں لیکن ہم نے دوسروں کے غلط نظریہ کی بہت سی باتوں کو اپنا لیا ہے۔ جسکی ایک مثال کا بیان آگے آتا ہے

دوسروں سے غلط نظریہ اپنانے کی واضح مثال

سورہ مائدہ کی وہ آیت جو مسلمانوں کے لئے اللہ اور رسول کے ساتھ رکوع میں زکواۃ دینے والے کی ولایت یعنی حکومت و فرمانروائی تسلیم کرنے کو واجب قرار دیتی ہے۔ اس سے پہلی آیت میں خداوند تعالیٰ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ" (المائدہ-54)

یعنی اے ایمان لانے والوں تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا (یعنی جن کی اطاعت تم پر فرض کی گئی ہے اس سے روگردانی کریگا تو خدا کا کچھ نہیں بگڑیگا۔ جو کچھ نقصان ہوگا وہ تمہارا ہی ہوگا) اللہ تو آگے چل کر زمانہ مستقبل میں ایک اور قوم کو لے آئیگا، جس سے خدا (انکی اطاعت شعاری کی وجہ سے) محبت رکھے گا اور وہ خدا سے محبت رکھیں گے ،،الخ

اس کے بعد مسلمانوں کو یہ بتلاتا ہے کہ تم پر جن کی اطاعت فرض ہے وہ کون ہے؟

"انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلواۃ و یو تون الزکواۃ وھم راکعون" (المائدہ -55)

(اے مسلمانوں) سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا صرف اللہ ہے اسکا رسول ہے اور وہ ہے جس نے حالت رکوع میں زکواۃ دی"

اس آیت میں دو حصر ہیں ایک "انما" کا حصر یعنی اللہ اور اسکے رسول اور حالت رکوع میں زکواۃ دینے والے کے سوا تمہارا اور کوئی ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا نہیں ہے۔ انما کے اس حصر میں ولی کے معنی دوست نہیں ہو سکتے کیونکہ تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

دوسرا حصر مسلمانوں سے خطاب کیساتھ "ولیکم" میں واقع ضمیر مخاطب "کم" کا حصر ہے۔ یعنی یہ ولی صرف مومنین کے ہیں۔ دوسروں کے نہیں "ولیکم" میں واقع ضمیر مخاطب "کم" کے حصر سے اس کے معنی ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ یعنی خالق و رازق ومحی وممیت اور نظام کائنات کا چلانا نہیں ہو سکتا، جیسا کہ شیخیہ احقاقیہ کویت مراد لیتے ہیں کیونکہ خدا صرف مومنین کا خالق ورازق نہیں ہے بلکہ ساری کائنات کا خالق ورازق ہے ۔ان دونوں حصر کے باوجود جنہوں نے پیغمبرؐ کے بعد اس زکواۃ دینے والے کی ولایت و سرپرستی اور حکومت وفرمانروائی کو تسلیم نہیں کیا وہ آیت میں "انما" کے حصر کے باوجود "ولیکم" کے معنی دوست کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے حضرت علی کو خالق ورازق ومحی وممیت اور نظام کائنات کا چلانے والا مان لیا انہوں نے "یا ایھا الذین آمنوا" کے خطاب کے بعد ولیکم میں واقع ضمیر مخاطب "کم" کے حصر کے باوجود ولیکم" کے معنی ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ یعنی خالق ورازق ومحی وممیت اور نظام کائنات کا چلانے والا کئے (دیکھو ولایت از دیدگاہ قرآن)

مذکورہ آیت کی رو سے شیعہ فقہ جعفریہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ پیغمبر کے بعد خدا

نے یہ حضرت علی کی ولایت وسرپرستی وحکومت وفرمانروائی اور امامت کا اعلان فرمایا ہے۔ لیکن مذکورہ دونوں گروہوں میں سے پہلے گروہ نے جنھوں نے "انما" کے حصر کے باوجود "ولیکم" کے معنی دوست کئے اور دوسرے گروہ نے جنہوں نے یاایھا الذین آمنو" کے خطاب کے بعد "ولیکم" میں واقع ضمیر مخاطب "کم" کے حصر کے باجود "ولیکم" کے معنی ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ یعنی خالق ورازق ومحی وممیت اور نظام کائنات چلانے والا کئے۔ اپنے اپنے عقیدے اور نظریہ کا اتنا پروپیگنڈا کیا کہ آج مذکورہ دونوں گروہوں نے اس مطلب میں شیعہ فقہ جعفریہ اثنا عشری کے اکثر افراد کو اپنے پیچھے لگالیا ہے۔

مذکورہ آیت کے علاوہ پیغمبر اکرم صلعم نے بھی خطبہ غدیر میں اور دوسرے مقامات پر حضرت علی کے لئے "ولیکم" یعنی تمہارا ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا ہی فرمایا ہے۔

ہم احتجاج طبرسی سے خطبہ غدیر کے تین اقتباسات یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

نمبر ۱: پیغمبر گرامی اسلام آیہ بلغ کی تلاوت کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"معاشر الناس ما قصرت فی تبلیغ ما انزلہ الی وانا مبین لکم سبب ھذہ الایۃ: ان جبرئیل علیہ السلام ھبط الی مرارا ثلاثا یا مرنی عن السلام ربی و ھو السلام. ان اقوم فی ھذا المشھد فاعلم کل ابیض و اسود ان علی ابن ابی طالب اخی و صی و خلیفتی والامام من بعدی، الذی محلہ منی محل ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی. وھو ولیکم بعد اللہ ورسولہ، وقد انزل اللہ تبارک و تعالی علی بذالک آیۃ من کتابہ: انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلواۃ ویوتون الزکواۃ وھو راکعون" (احتجاج طبرسی)"

ترجمہ: اے لوگو جو کچھ اس نے نازل فرمایا ہے میں نے اس کے پہنچانے میں

کوتاہی نہیں کی اور اب میں اس آیت کی شان نزول بھی تمہارے لئے واضح طور پر بیان کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تین مرتبہ آئے اور یہ حکم لائے۔ سلام کے ساتھ میرے رب کی طرف سے جو خود سلام ہے اور سلام کا مبداء کہ میں اس مقام پر کھڑے ہو کر ہر گورے اور کالے کو یہ اطلاع دوں کہ علی ابن ابی طالب میرے بھائی، میرے وصی، میرے خلیفہ، اور میرے بعد امام ہیں جن کی منزلت اور نسبت میرے ساتھ وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی، فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد تم سب کا ولی ہے اس بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں ایک آیت مجھ پر نازل فرما چکا ہے وہ یہ ہے کہ: سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا ولی اللہ، ہے اور اس کا رسول، اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں۔ اور علی ابن ابی طالب نے اقامہ صلوات کیا اور حالت رکوع میں زکواۃ دی۔

نمبر 2: پیغمبر اکرم صلعم پھر آیہ تبلیغ کی تلاوت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"فاعلموا معاشر الناس ان الله قد نصبه لكم وليا و اماماً مفترضة طاعته على المهاجرين و الانصار و على التابعين لهم باحسان وعلى البادى و الحاضر، وعلى الاعجمى و العربى، والحر والمملوك والصغير والكبير وعلى الابيض والاسود وعلى كل موحد، ماض حكمه، جائز قوله، نافذ امره، ملعون من خالفه، مرحوم من تبعه ومن صدقه فقد غفر الله له، ولمن سمع منه واطاع له (احتجاج طبرسی)

ترجمہ: اے لوگوں جان لو کہ اللہ نے علی کو یقیناً تمہارے واسطے ولی (وسرپرست و حاکم وفرمانروا) اور امام مقرر کر دیا ہے۔ جس کی اطاعت مہاجرین وانصار پر اور ان پر لازم ہے جو نیکی میں ان کے تابع ہیں۔ ان پر بھی جو جنگلوں میں رہتے ہیں، اور ان پر بھی جو

شہروں میں آباد ہیں۔ اسطرح ہر عجمی پر اور ہر عرب پر آزاد پر بھی اور غلام پر بھی۔ ہر چھوٹے بڑے پر، ہر گورے کالے پر، اور ہر اس شخص پر جو خدا کی توحید پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کا حکم جاری ہوگا۔ اس کی بات ماننی واجب ہوگی۔ اور اسکا فرمان نافذ ہوگا۔ جو اسکی مخالفت کریگا اس پر خدا کی لعنت ہے رحمت کا مستحق ہوگا جو اس کی پیروی کریگا۔ اور جو اس کی تصدیق کریگا۔ ایسے شخص کو اللہ نے قابل مغفرت قرار دیا ہے اور اس شخص کو بھی جو علی کی بات سنے گا اور اسکی اطاعت کریگا،

نمبر 3: اس کے بعد پیغمبر گرامی اسلام نے فرمایا:

"معاشر الناس انه آخر مقام اقومه فی هذا المشهد فاسمعوا و اطيعوا وانقادوا لامر ربكم فان الله عزو جل هو ولیکم والهكم ثم من دونه رسوله محمد وليكم القائم المخاطب لكم، ثم من بعدى على وليكم و امامكم بامر الله ربكم ثم الامارة فى ذريتى من ولده الى يوم القيامة يوم يلقون الله ورسوله" الخ (احتجاج طبرسی)

ترجمہ: اے لوگوں یہ آخری موقع اور مقام ہے کہ میں سب کے سامنے اسے قائم مقام بناتا ہوں، پس تم سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے رب کا حکم مانو کہ خداوند تعالیٰ تمہارا سرپرست و والی و حاکم وفرمانروا ہے اور تمہارا معبود ہے۔ اس کے بعد (اس کی طرف سے) اس کا رسول محمد تمہارا ولی وسرپرست و حاکم وفرمانروا ہے جو تم سے کھڑا ہوا بات کر رہا ہے۔ پھر میرے بعد اللہ کے حکم سے جو تمہارا رب ہے، علی تمہارا ولی وسرپرست و حاکم وفرمانروا اور امام ہے پھر قیامت تک امامت میری ذریت میں رہے گی، جو اس علی کے صلب سے ہوگی، یہ سلسلہ اس دن تک جاری رہیگا جب تم اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آخرت میں حاضر ہوگے"

خطبہ غدیر کے یہ تینوں اقتباس پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ پیغمبر اکرم نے حضرت

علی کو "ولیکم من بعدی" کہہ کر اپنے بعد تمام مسلمانوں کا حاکم وفرمانروا مقرر کیا تھا۔ اور اپنے بعد کے لئے انکی امامت کا علان کیا تھا۔ اور تیسرے اقتباس میں انتہائی واضح الفاظ میں فرمایا "ثم من بعدی ولیکم و امامکم بامر الله ربکم" پھر میرے بعد تمہارے رب اللہ کے حکم سے علی تمہارا ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا ہے اور تمہارا امام ہے "من بعدی" کہنے سے ولی کے معنی دوست بنتے ہی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی "من بعدی" کی موجودگی میں خالق ورازق ومحی وممیت اور نظام کائنات کا چلانے والا معنی بنتے ہیں۔ جسے شیخیہ احقاقیہ کویت ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

(دیکھو ولایت از دیدگاہ قرآن)

اہل سنت کی کتابوں میں بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی وہ احادیث ملتی ہیں جن میں پیغمبر نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد کے لئے ولی بنانے کا بیان کیا ہے۔ جیسا کہ خود عبدالرسول احقاقی نے بھی اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن جلد اول میں نقل کیا ہے کہ: "احمد بن حنبل در کتاب مسند خود جلد چہارم صفحہ 437، وجلد پنجم صفحہ 356، وابو نعیم اصفہانی در کتاب حلیۃ الاولیاء جلد ششم صفحہ 294 وده ها از بزرگان علمائے اہل تسنن روایت می کنند کہ رسول اکرم (ص) در بارہ حضرت علی ابن ابی طالب (ع) می فرمود "ان علیا ولیکم بعدی، یعنی علی (ع) بعد از من ولی شما است۔ یعنی علی میرے بعد تم سب مسلمانوں کا ولی ہے۔

(ولایت از دیدگاہ قرآن عبدالرسول احقاقی)

صحیح ترمذی میں ہے کہ یمن سے واپسی پر جب کچھ اصحاب پیغمبر نے حضرت علی کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے کسی بات کی شکایت کی تو آنحضرت نے غضبناک ہو کر فرمایا

"فاقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم و الغضب یعرف فی وجهه وقال ما تریدون من علی، ما تریدون من علی، ما تریدون من علی علیاً منی و انا منه وهو ولی کل مومن من بعدی"

(ترمذی شریف، فضائل حضرت علی)

یعنی آنحضرت صلعم انکی طرف پلٹ پڑے، اور غضب چہرہ مبارک سے نمایاں تھا۔ فرمایا کہ تم علی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو تم علی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو تم علی کے ساتھ

کیا کرنا چاہتے ہو۔ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد تم سب مسلمانوں کا ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا ہے۔

لیکن اہل سنت "ولیکم من بعدی" میں "من بعدی" ہونے کے باوجود اسکا ترجمہ دوست ہی کرتے ہیں مثلاً۔ خصائص نسائی، با ترجمہ فارسی میں اسکا فارسی ترجمہ یوں کیا ہے

"علی از من است ومن از علی ام، واو دوست شما است پس از من

(تلخیص الصحاح از مولوی کبیر الدین احمد)

یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ تمہارا دوست ہے میرے بعد اور چونکہ من بعدی کے ہوتے ہوئے دوست ترجمہ نہیں ہو سکتا لہذا صاحب مشکواۃ نے مشکواۃ شریف میں "من بعدی" عبارت سے حذف کر دیا۔ اور یوں لکھا کہ "علی منی و انا منه وهو ولی کل مومن" یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ ہر مومن کا دوست ہے۔ چونکہ صاحب مشکواۃ جانتے تھے کہ من بعدی کے ہوتے "ولیکم" کا ترجمہ دوست نہیں ہو سکتا لہذا انہوں نے "من بعدی" اڑا دیا، اور یہ چوری اسطرح پکڑی گئی کہ انہوں یہ لکھ دیا کہ رواہ الترمذی" یعنی اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ چونکہ مشکواۃ شریف صحاح ستہ اور کتب کی جامع ہے لہذا انہوں نے ترمذی سے جو روایت نقل کی اس سے "من بعدی" جان بوجھ کر اڑا دیا تا کہ دوست کا ترجمہ غلط نہ معلوم ہو۔

بہر حال حضرت علی علیہ السلام کی وہ ولایت جو خدا کی طرف سے مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے۔ وہ "ولیکم من بعدی" والی ولایت ہے جسکا ترجمہ تمام اہل سنت "من بعدی" کے باوجود دوست ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ علی پیغمبر کی زندگی میں بھی مومنین کے دوست تھے۔ اور سب مومنین بھی آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ صرف حضرت علی ہی دوست نہیں ہیں۔

اور پھر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسی "ولیکم" کو ولی اللہ بنا دیا گیا۔ حالانکہ "ولیکم من بعدی" سے ولی اللہ نہیں بنتا یعنی اللہ کا دوست اور پھر پیغمبر کے بعد صرف حضرت علی ہی اللہ کے دوست یعنی ولی اللہ نہیں تھے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔ "الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون الذین آمنوا

وھم یتقون" (یونس-63)

آگاہ ہو جاؤ کہ جو اللہ کے ولی یعنی دوست ہیں انکو نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی حزن وملال اور اللہ کے یہ ولی وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور تقویٰ شعار ہیں"

پس پیغمبرؐ کے بعد صرف حضرت علیؑ ہی ولی اللہ یعنی اللہ کے دوست نہیں ہیں بلکہ امام حسنؑ بھی ولی اللہ ہیں، امام حسینؑ بھی ولی اللہ ہیں، سلمان فارسیؓ بھی ولی اللہ ہیں ابوذر غفاریؓ بھی ولی اللہ ہیں مقدادؓ بھی ولی اللہ ہیں عمار یاسرؓ بھی ولی اللہ ہیں اور کربلا کے تمام شہدا سب کے سب ولی اللہ ہیں جن کی زیارت میں واضح الفاظ میں کہا جاتا ہے "السلام علیکم یا اولیاء اللہ واحبائہ" اے اللہ کے ولیوں اور دوستوں اور اللہ سے محبت کرنے والوں تم پر ہمارا سلام۔

پس" ولیکم من بعدی" کے تمہارا دوست تو معنی بنتے ہی نہیں ولی اللہ بھی معنی نہیں بنتے۔ لیکن مسلمانوں کے ذہنوں سے "ولیکم کا اصل مفہوم نکالنے کے لئے اہل تسنن کے صوفیاء نے حضرت علیؑ کے لئے ولی اللہ کا ایسا پروپیگنڈا کیا اور ان کے خرقہ ولایت کھینچ کرانے اور خود ولی اللہ کہلانے کیلئے فضائل کے عنوان سے ایسی ایسی روایات گھڑیں جن سے اکثر شیعہ حضرات بھی دھوکہ کھا گئے۔ چنانچہ رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں ایسی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ ہم خلاصہ کے طور پر چند روایات یہاں پر نقل کرتے ہیں۔ وہ "مدینۃ المعاجز" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب خدا نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا کہ لکھ اس نے کہا کہ کیا لکھوں فرمایا کہ لکھ۔

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ"

اس کے بعد قلم کو حکم دیا کہ بہشت کے درختوں کے تمام پتوں پر تمام آسمانوں پر۔ زمین پر پہاڑوں پر اور درختوں پر لکھ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ"

"مدینۃ المعاجز" ہی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ شب معراج دیکھا کہ بہشت کے آٹھوں دروازوں پر نور سے لکھا ہوا ہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ"

اور یہ بات ہم بیان کر چکے ہیں کہ لفظ ولی کثیر المعنی لفظ ہے جسکے خود عبدالرسول

احقاقی نے ولایت از دیدگاہ قرآن میں 18 کے قریب معنی لکھے ہیں۔ اور لغت کی بعض کتابوں میں 32 کے قریب معنی ہیں۔ لیکن ولی کے وہ معنی جو حضرت علی علیہ السلام کی نسبت سے اپنائے گئے ہیں وہ تین ہیں۔

نمبر1: ولی کے معنی دوست جسے اہل سنت نے" ولیکم من بعدی" کے باوجود اپنایا ہے اور صوفیوں نے اسکی خوب پذیرائی کی ہے۔

نمبر2: ولی کے معنی مختار کار ہے جسے مفوضہ اور شیخیوں نے "ولیکم اور من بعدی" کی قید کے باوجود عقیدے کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اور مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں اسکے معنی، ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کی ہے۔ یعنی جسے خلق ورزق واحیاء وامانت اور نظام کائنات چلانے کا کام خدا نے سپرد کر دیا ہوا ہے۔

نمبر3: ولی کے معنی سرپرست وحاکم وفرمانروا ہیں۔ جو قرآن میں ولیکم میں واقع ضمیر مخاطب کم" اور حدیث میں واقع "ولیکم" اور "من بعدی" اور ایک حدیث میں واقع لفظ ولی کل مومن کے مطابق ہے۔

لیکن اس "ولیکم" کو ذہنوں سے اتارنے کے لئے اور دوست کے معنی پختہ کرنے کے لئے یا مختار کار کے معنی پختہ کرنے کے لئے فضائل کے عنوان سے "ولی اللہ" کو خوب شہرت دی گئی۔ ساق عرش پر لکھوایا "علی ولی اللہ"، بہشت کے درختوں کے پتوں پر لکھوایا علی ولی اللہ" پانی کے سرچشموں پر لکھوایا علی ولی اللہ" آسمانوں پر لکھوایا علی ولی اللہ" زمین پر لکھوایا علی ولی اللہ"

اب یہ ساق عرش پر لکھا ہوا ہے یا نہیں، آسمانوں پر لکھا ہوا ہے یا نہیں، بہشت کے تمام درختوں کے پتوں پر لکھا ہوا ہے یا نہیں، لیکن صوفیوں نے ولی کے معنی دوست ذہنوں میں بٹھانے کے لئے اس کا اتنا پروپیگنڈا کیا کہ یہ شیعوں کے دلوں پر ضرور لکھا گیا ہے۔ اور انہوں نے علی ولی اللہ کو ایسا پختہ کیا کہ شیعہ بھی علی ولی اللہ کہنے لگ گئے۔ اور ولیکم بھول گئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا فرمان "ولیکم" اور "ولی کل مومن" بھول گئے۔ اور ولی اللہ ازبر ہو گیا۔ اور ولی اللہ، ہر صورت مضاف ومضاف الیہ ہیں جس کے معنی ہیں اللہ کا ولی، اس مضاف اور مضاف الیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ولی کے مذکورہ تینوں معانی

کے مطابق ولی اللہ کے تین معانی ہونگے۔

نمبر 1: اللہ کا دوست

نمبر 2: اللہ کا کار مختار

نمبر 3: اللہ کا حاکم و فرمانروا

پہلے معنی کے لیے صرف حضرت علی مخصوص نہیں قرآن کے مطابق خدا کے نزدیک ہر مومن و متقی خدا کا ولی ہے اور یہ صوفیوں اور سنیوں نے مراد لی ہے۔ دوسرے معنی وہ ہیں جو مفوضہ اور شیخیہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی اللہ نے اپنے تمام کام انہیں تفویض کر دیے ہیں اور وہی خلق کرتے ہیں وہی رزق دیتے ہیں اور سارا نظام کائنات وہی چلاتے ہیں اسے وہ ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کہتے ہیں۔ اور یہ شرک ہے۔

تیسرے معنی اللہ کا حاکم تو اگرچہ اس معنی میں کوئی مراد نہیں لیتا کہ حضرت علی کو حاکم اور خدا کو محکوم کہے لیکن ہماری مجالس میں بعض نامراد مجلس خوان ذاکر یہ دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ اللہ مومن ہے (سلام مومن مهیمن الخ) اور علی امیر المومنین ہیں یعنی اللہ محکوم ہے اور علی حاکم ہیں۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یعنی ہمارے یہاں مجالس میں منبر کی خرابی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ساری خرابیوں کے بارڈر پار کر گئی ہے۔

بہر حال اکثر شیعہ بھی "ولیکم" بھول گئے ہیں۔ اور صرف ولی اللہ یاد ہو گیا۔ اذان میں ولی اللہ کلمہ میں ولی اللہ اور اب تو بڑے زور شور کے ساتھ تشہد میں ولی اللہ پڑھنے کی مہم چل رہی ہے۔ مجھ سے ایک شیعہ نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ قرآن میں لکھا ہے کہ نماز کے تشہد میں علی ولی اللہ کہو میں نے کہا کہاں لکھا ہے، کہا "انما ولیکم اللہ الخ" میں نے کہا یہ تو ولیکم کہا ہے ولی اللہ نہیں کہا، انکو تمہارا حاکم بنایا ہے اور انکی اطاعت کا حکم دیا ہے لہذا انکی اطاعت کرو اور جب شیعہ "ولیکم بھول گئے اور ولی اللہ دلوں پر لکھا گیا تو شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت نے اسکا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور انہوں نے "ولیکم من بعدی" کے باوجود ولی اللہ کو شہرت دی اور اس سے مراد ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ لی، اور اس سے عقیدے تفویض کو مستدل کیا۔ کیونکہ ولی اللہ مضاف و مضاف الیہ ہے یعنی اللہ کا ولی یعنی کار مختار جسے اللہ نے اپنے تمام کام سپرد کر دیے ہیں۔ اسی لئے وہ "ولی اللہ" پر زیادہ زور دیتے

ہیں۔ اور "ولیکم" کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

پس اہل سنت کے صوفیوں کی طرف سے ولی اللہ پر زور اس لئے ہے تاکہ ولی کے معنی دوست ذہنوں میں اچھی طرح بیٹھ جائیں۔ اور شیخیہ احقاقیہ نے اس کو اس لئے اپنایا ہے تاکہ وہ اپنی تفویض کو، ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کے نام سے درست کر سکیں۔ اور شیعہ فقہ جعفریہ اثنا عشری نے شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت اور صوفیوں کے فریب میں آ کر اسے آنکھیں بند کر کے اپنا لیا ہے۔ اور یہ حضرت علی علیہ السلام کی محبت میں دوسروں کا غلط نظریہ اپنانے کی واضح مثال ہے اب ہم اصول دین کی پانچویں اصل یعنی قیامت کے بیان کی طرف آتے ہیں۔

باب ششم

قیامت یا معاد کے بیان میں

توحید و عدل و نبوت و امامت کے عقیدے کے بعد شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کا پانچواں عقیدہ قیامت یا معاد پر ایمان ہے۔ قیامت یا معاد پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے میں تین بزرگ ترین علمائے شیعہ کا بیان نقل کر دینا ہی کافی سمجھتا ہوں جو اس طرح ہے۔

اول آیت اللہ شیخ محمد تقی کاشانی "ہدایت الطالبین" کے صفحہ 465 پر لکھتے ہیں کہ: از روئے شرع معاد سے مراد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ اسی بدن عنصری و اصلی کے ساتھ زندہ کریگا۔ اور معاد جسمانی کے بارے میں جس طریقہ سے ہم نے بیان کیا ہے، تمام اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے اور یہ ضروری دین اسلام ہے، اور اصول دین ہے۔ پس جو شخص اسی طرح سے معاد جسمانی کے ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے (ہدایت الطالبین صفحہ 465)

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شیخ احمد احسائی کو شیعہ مراجع عظام نے جن فاسد عقائد کی بنا پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ ان میں سے فلسفہ علل اربعہ کے علاوہ جو سابقہ بیان کردہ فاسد عقائد کی جڑ بنیاد ہے دوسرا عقیدہ شیخ احمد احسائی کی طرف سے شر ؟ زیارت میں معاد

جسمانی عنصری کے اعتقاد سے انکار تھا۔

دوسرے علامہ مجلسی "حق الیقین" میں فرماتے ہیں کہ: "خداوند تعالیٰ بروز قیامت اپنی مخلوق کے بوسیدہ اور بکھرے ہوئے اعضا، کو جمع کریگا۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے ان کو حیات عطا کریگا۔ اور ارواح خلائق کو ان کے بدن میں لوٹائے گا۔ اور معاد جسمانی کا انکار کفر ہے اور یہ قرآن مجید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اور آئمہ ھدیٰ صلوات اللہ علیہم کے انکار کو مستلزم ہے۔ (حق الیقین مجلسی)

اور تیسرے حجۃ الاسلام آیت اللہ فی الانام مرجع تقلید شیعیان جہاں آقائے ابوالقاسم خوئی فرماتے ہیں۔

"معاد جسم پر موت طاری ہونے، اور اس کے ذرات کے بکھر جانیکے بعد، دوبارہ اس کے اصلی صورت میں لائے جانے کا نام معاد ہے۔ اسکا مادہ عود ہے۔ جس کے معنی ہیں واپس ہونا۔ لہذا جن لوگوں نے معاد کی تعریف میں فنا ہونے اور دوبارہ وجود میں آنے کے الفاظ لکھے ہیں وہ معاد کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔ معاد کو قیامت اور عاقبت بھی کہتے ہیں۔ جس سے عقبیٰ بنا ہے۔ اس کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں انسان نے جیسے نیک یا بد افعال کئے ہیں۔ انہیں اس سابق جسم کے ساتھ جس نے ارتکاب فعل کیا ہے، واپس لاکر اعمال کی جزا یا سزا دی جائے۔

مردوں کو زندہ کرنا خدائے قادر وتوانا کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اس نے خود ارشاد فرمایا ہے:

"وضرب لنا مثلاً و نسی خلقه قال من یحی العظام وهی رمیم قل یحیها الذی انشاها اول مرة وهو بکل شیء علیم" (یٰسین 79,78)

اور وہ ہماری نسبت باتیں بنانے لگا کہ جب ہڈیاں گل سڑ کر خاک ہو جائیں گی تو پھر بھلا کون دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اے رسول کہہ دو کہ وہی خدا زندہ کر سکتا ہے جو پہلی بار تمہیں عدم سے وجود میں لایا تھا۔ وہ ہر قسم کی تخلیق سے واقف ہے۔ (توضیح المسائل آیت اللہ خوئی)

اب ہم اصول دین کے مختصر بیان کے بعد عقائد شیخیہ کے مقابلہ میں عقائد شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ مختصر بیان اور فرق بیان کرتے ہیں۔

عقائد مذہب شیخیہ

1. خدا اس سے ایک چیز سے زیادہ صادر نہیں ہوتی۔
2. خلق ورزق، مارنا اور جلانا اور نظام کائنات چلانے کا کام آئمہ کرتے ہیں۔
3. آئمہ اہل بیت سارے جہان کی علت فاعلی ہیں۔
4. جو مخلوق خدا اس سے صادر ہوئی ازلی وابدی ہے۔
5. موجودات کے لئے خدا کا علم حادث ہے۔
6. آئمہ اہل بیت خدا کی بلا واسطہ مخلوق ہیں۔
7. آئمہ اہل بیت متعدد جسموں میں ایک ہی جان ہیں۔
8. حضرت علی ہی انبیا کی شکل بدل کر آتے رہے۔
9. خدا معبود نہیں بلکہ آئمہ اہل بیت معبود ہیں۔
10. معراج اس جسم عنصری سے نہیں ہوئی۔
11. معاد اس بدن عنصری میں نہیں ہوگی۔
12. اسمائے حسنیٰ کا مطلب آئمہ اہل بیت ہیں۔
13. آئمہ اہل بیت کائنات کے علت مادی وصوری ہیں
14. آئمہ اہل بیت ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔
15. آئمہ اہل بیت عالم الغیب ہیں اور ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔
16. آئمہ اہل بیت ایجاد وخلق کا آلہ ہیں۔
17. آئمہ اہل بیت خدا کی قدرت کا سرچشمہ ہیں۔
18. عالم کا قیام امام کی توجہ سے ہے۔
19. وحی خود محمد کا خیال ہے غیب سے شہود کی طرف۔
20. [illegible] علم اور وحی آئمہ اہل بیت کی طرف سے ہے۔

عقائد مذہب شیخیہ

21 انبیاء لوگوں کو آئمہ اہل بیت کی طرف دعوت کرتے تھے۔

22 آئمہ حیوانات وجمادات کی صورت میں آتے تھے۔

23 آئمہ ہر وقت موجود کے ساتھ متحد ہیں۔

24 قرآن عقل محمد ہے یعنی اپنی عقل سے بنایا ہے۔

25 علی ایک وقت میں کئی کئی مقام پر ہوتے ہیں۔

26 عالم ذر میں پیغمبرؐ نے عہد لیا۔

27 سارے انبیاء علی ہی تھے۔

28 انبیاء کی ہمارے پیغمبرؐ مدد کرتے تھے۔

29 تمام جمادات ونباتات وحیوانات مکلف ہیں۔

30 آئمہ بشر اور انسان نہیں تھے۔

31 آئمہ ہی عبادت ہیں۔

32 ایاک نعبد و ایاک نستعین کے مخاطب آئمہ ہیں۔

33 حادثات آئمہ کے ساتھ منسوب ہیں۔

34 انبیاء کا معجزہ آئمہ دکھاتے تھے۔

35 آئمہ ہی بہشت ہیں۔

36 آئمہ کی محبت کا نام ہی بہشت ہے۔

37 ملائکہ کی حرکت وسکون آئمہ کے حکم سے ہے۔

38 خدا کی شئون آئمہ میں منحصر ہیں۔

39 خدا کی کوئی مشیت نہیں آئمہ کی مشیت ہوتی ہے۔

40 آئمہ کا بدن خدا کی تجلی تھی۔

عقائد شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشری

1 ہر چیز کا خالق خدا ہے۔

2 یہ تمام کام خدا کے ساتھ مخصوص ہیں۔

3 ہر چیز خدا کے ارادے سے خلق ہوتی ہے۔

4 ہر مخلوق حادث اور فانی ہے۔

5 خدا کا علم عین ذات اور قدیم ہے۔

6 سارا جہان خدا کی بلا واسطہ مخلوق ہے۔

7 ایک جان کا متعدد جسموں میں ہونا تناسخ اور باطل ہے۔

8 یہ عقیدہ تناسخ ہے اور باطل ہے۔

9 غیر از ذات خدا ہر کسی کی عبادت کفر ہے۔

10 معراج اسی جسم عنصری کے ساتھ ہوئی۔

11 معراج بدن عنصری بشری کے ساتھ ہوگی۔

12 اسماء حسنیٰ کا معنیٰ ذات پروردگار ہے۔

13 عالم کی علت مادی اور صوری خود عالم ہے۔

14 آئمہ اہل بیت جسم رکھتے ہیں اور مکان محدود میں ہوتے ہیں۔

15 آئمہ اتنا علم رکھتے ہیں جتنا خدا نے بذریعہ وحی پیغمبرؐ کو دیا۔

16 خدا کو خلق کرنے کے لئے کسی آلہ کی ضرورت نہیں ہے۔

17 خدا کی قدرت کا کوئی سرچشمہ نہیں ہوتا۔

18 عالم خدا کے ارادے سے قائم اور باقی ہے۔

19 وحی خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔

20 جبرئیل کا علم اور وحی خدا کی طرف سے ہے۔

عقائد شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ

21 انبیاء لوگوں کو خدا کی طرف دعوت کرتے تھے۔

22 یہ عقیدہ حلول و تناسخ ہے اور کفر ہے

23 آئمہ وحدت وجود کے کفر سے پاک ہیں۔

24 قرآن کتاب خدا ہے اور وحی کے ذریعہ آیا ہے۔

25 ایک جسم ایک وقت میں کئی مقام پر نہیں ہو سکتا۔

26 عالم ذر میں خدا نے عہد لیا۔

27 یہ عقیدہ وحدت الوجود ہے اور کفر ہے۔

28 انبیاء کی خدا خود مدد کرتا تھا۔

29 جمادات و نباتات و حیوانات مکلف نہیں ہیں۔

30 آئمہ اہل بیت تمام کے تمام بشر اور انسان تھے۔

31 آئمہ کی ذات عبادت نہیں ہے۔

32 ایاک نعبدو و ایاک نستعین کا مخاطب خدا ہے۔

33 حادثات تکوینی خدا کے ارادے سے ہوتے ہیں۔

34 بہشت کا وجود خارجی ہے۔

35 بہشت کا وجود واقعی ہے۔

36 ملائکہ کی حرکت و سکون خدا کے حکم سے بحول و قوت خدا ہے۔

37 تمام معجزات خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔

38 خدا کی شئون کسی بھی مخلوق میں منحصر نہیں۔

39 ہر کام خدا ہی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

40 خدا کیلئے تجلی ذاتی نہیں ہے۔

عقائد عرفا و صوفیہ

1 مکاشفہ حجت ہے۔

2 خدا کے ساتھ وصال ممکن ہے۔

3 واصل بالحق مرشد سے عبادت ساقط ہے۔

4 شریعت غیر از حقیقت ہے۔

5 خالق اور مخلوق کا وجود ایک ہی ہے۔

6 خالق اور مخلوق میں اتحاد جائز ہے۔

7 دنیا کا ہر دین و مذہب حق ہے

8 علی ازلی و ابدی اور زمین پر موجود ہے

9 خدا فاعل بالتجلی ہے۔

10 خدا مرشدوں میں حلول کرتا ہے۔

11 خدا کی شکل و صورت ہے۔

12 خدا کو دیکھا جا سکتا ہے۔

13 خدا کا جسم ہے۔

14 کافر و منافق سے بھی معجزہ صادر ہوتا ہے۔

15 مخلوق کی طرف سے خدائی کا دعویٰ جائز ہے۔

16 خدا کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا جائز ہے۔

17 بت، صنم، معشوق اور دلربا سے مراد خدا ہے۔

18 ذکر و عبادت میں مرشد کی طرف توجہ لازم ہے۔

19 حقائق کا قرآن و حدیث کے الفاظ کے ساتھ ربط نہیں ہے۔

20 رقص و موسیقی تصوف کے مراسم ہیں۔

عقائد عرفا و صوفیہ

21 فقہا اہل ظاہر اور عرفا اہل باطن ہیں۔

22 طریقت غیر از شریعت ہے۔

23 اہل طریقت دین کا مغز ہیں۔

24 فقر کا مسلک صحیح ہے۔

25 تصوف کی ترویج کے لئے جھوٹی باتیں گھڑنا جائز ہے۔

26 شریعت کا دستور باطن کے لئے کافی نہیں۔

27 عرفا و صوفیہ اہل باطن ہے۔

28 تناسخ اور روح کا متعدد افراد میں ظہور جائز ہے۔

29 بشر کے اعمال قضا و قدر کے ماتحت ہوتے ہیں۔

30 بشر اپنے اعمال میں مجبور ہے۔

31 ریاضت کے ذریعہ نبوت پر فائز ہونا ممکن ہے۔

32 مرشد اور قطب ولی امر ہیں۔

33 مرشد واجب الاطاعت ہوتے ہیں۔

34 امامت نوعی ہے اور ہر قطب اس مقام پر فائز ہے۔

35 سارا جہاں خدا کے وجود کی موج اور سایہ ہے۔

36 ذات خدا کا ادراک ممکن ہے۔

37 عرفا فانی بحق اور باقی بحق ہیں۔

38 انبیاء ایک ہی وجود ہیں مختلف شکلوں میں۔

39 بشر کو فنا ہو جانا چاہیے تا کہ خدا کا دیدار کرے۔

40 بہشت سیر خیالی اور خدا سے وصل ہو جانا ہے۔

عقیدہ شیعہ امامیہ جعفریہ

1 حجت عقل و شرع میں منحصر ہے۔

2 صوفیہ کا عقیدہ وصال باطل ہے۔

3 عبادت کا ساقط ہونا دین سے انکار اور کفر ہے۔

4 شریعت تمام تر حقائق اور اسکا انکار کفر ہے۔

5 وحدت وجود سب سے بڑا شرک ہے۔

6 خالق و مخلوق کا اتحاد محال اور اسکا مدعی مشرک ہے۔

7 دین حق صرف ایک ہے باقی سب باطل ہے۔

8 علی مخلوق اور حادث ہیں اور کسی وجود کے ساتھ متحد نہیں ہوتے۔

9 خدا اپنے قصد و ارادہ کے ساتھ خلق کرتا ہے۔

10 حلول محال ہے اور اسکا مدعی کافر ہے۔

11 خدا شکل و صورت نہیں رکھتا۔

12 خدا کی ذات رویت و دیدار سے منزہ ہے۔

13 خدا کی ذات جسم و جسمانیت سے پاک و منزہ ہے۔

14 کافروں اور منافقوں سے کرامت و معجزہ کا صدور جھوٹ ہے۔

15 خدائی کا دعویٰ امر باطل اور موجب کفر ہے۔

16 خدا کی مخلوق کیساتھ تشبیہ باطل اور شرک ہے۔

17 خدا کے تمام نام توقیفی ہیں اور ایسے نام خدا کے لئے جائز نہیں۔

18 عبادت میں غیر خدا کی طرف توجہ شرک ہے۔

19 الفاظ قرآن و حدیث تمام حقائق ہیں۔

20 رقص و موسیقی اسلامی محرمات میں سے ہیں۔

عقیدہ شیعہ امامیہ جعفریہ

21 یہ بات غرور پر مبنی اور موجب نفاق ہے

22 یہ تفریق نفاق ہے جسکا کوئی مدرک نہیں ہے۔

23 اہل طریقت بے دین ہیں۔

24 فقر کا مسلک باطل اور موجب کفر ہے۔

25 جھوٹی باتیں گھڑنا لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے۔

26 شریعت اسلام جامع احکام ہے اور باطن کے لئے کافی ہے۔

27 صوفیوں کا باطن کفر و باطل اور بدعت ہے۔

28 تناسخ انکار دین اور موجب کفر ہے۔

29 بشر کے اعمال اپنے ارادہ اور اختیار سے ہوتے ہیں۔

30 جبر شرک کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور بشر مختار ہے۔

31 انبیاء ازل میں معین ہو چکے ریاضت سے کوئی نبی نہیں بنتا۔

32 ولی امر ہونا بارہ اماموں میں منحصر ہے۔

33 واجب الاطاعت ہونا خدا اور رسول و امام میں منحصر ہے۔

34 امامت شخصی ہے اور صرف بارہ میں منحصر ہے۔

35 خدا کی ذات موج اور سایہ سے منزہ ہے۔

36 ذات خدا کا ادارک محال ہے۔

37 فانی بحق اور باقی بحق کے دعوے باطل اور محال ہے۔

38 یہ وحدت وجود ہے اور کفر ہے انبیاء فی الواقع متعدد ہیں

39 زندگی اور موت بشر کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

40 بہشت کا وجود واقعی ہے خیالی نہیں ہے۔